قرآن کریم اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۱ شمارہ: ۶

جمادی الاخریٰ: ۱۴۳۹ھ - مارچ: ۲۰۱۸ء

قیمت فی شمارہ: ۳۵ روپے، زرِ سالانہ: ۴۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر

نائب مدیر

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفی

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ "بینات" جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر "بینات": 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 101900-397-7 برانچ کوڈ: 0816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ، کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 27 امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: +92-21-34919531

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

''پیغامِ پاکستان'' دستاویز
ریاست کے ساتھ گہری وابستگی ووفاداری کا اظہار! ۳ محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات ومضامین

مردوزن کے قرآنی حدوداورنظامِ عفت کا اجمالی خاکہ ۱۸ حضرت مولانا بدیع الزمانؒ
مکاتیب علامہ کوثریؒ... بنام... علامہ بنوریؒ (قسط:۱۲) ۲۲ ترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
مروجہ اسلامی بینک اور ڈیجیٹل تصویر کی حرمت
اور حضرت شیخ مولانا سلیم اللہ خانؒ کا کردار! ۲۵ مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا! ۴۷ مفتی احسان الحق اخونزادہ
''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' اور اُن کا حکم (قسط:٦) ۵۵ مولانا انعام اللہ

دار الإفتاء

اعضاء کی پیوندکاری اورعطیۂ خون کے حکم میں فرق! ٦۱ ادارہ

نقد ونظر

٦۳ ادارہ

’’پیغامِ پاکستان‘‘ دستاویز

ریاست کے ساتھ گہری وابستگی و وفاداری کا اظہار!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کسی مسئلہ میں زمامِ قیادت وراہبری اور عنانِ حکم وحکومت اہل علم اور علمائے کرام کے ہاتھ میں رہی، خلقِ خدا کو اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں نہ صرف یہ کہ کامیابی وفتح یابی سے نوازا، بلکہ سرفرازی وکامرانی نے ان کے قدم چومے۔ اس کے برعکس جب بھی کسی معاملے کو اہل علم اور علمائے کرام کی رائے اور مشاورت کے بغیر سلجھانے اور حل کرنے کی کوشش کی گئی تو ایسے لوگوں کو سوائے اُلجھنوں اور پیچیدگیوں کے اضافے کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس پر ایک دو نہیں کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ علمائے کرام نے ہر دور میں انسانیت کی خدمت اور ملک وملت کی فلاح وبہبود اور اُنہیں مشکلات ومصائب سے نکالنے کے لیے ہمیشہ خلوص واخلاص اور محض رضائے مولیٰ کی غرض سے اپنی خدمات بھرپور انداز اور بلاخوف لومۃ لائم پیش کیں۔

متحدہ ہندوستان پر انگریز کے تسلُّط اور غلبہ کے بعد ۱۸۰۳ء میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ ہو یا ۱۸۳۱ء میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کا بالاکوٹ کے میدان میں سکھوں کے خلاف جہاد۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہم کا ۱۸۵۷ء کا جہادِ آزادی ہو یا تحریکِ پاکستان میں علمائے کرام کا کردار۔

اسی طرح پاکستان کے معرضِ وجود میں آجانے کے بعد قراردادِ مقاصد ہو یا پاکستان کو نسلی، لسانی، فرقہ واریت کے عفریت سے بچانے اور پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے لیے ۳۳ علمائے کرام کے بائیس دستوری نکات۔ پاکستان کی پارلیمنٹ سے پاس کردہ ۱۹۷۳ء کا متفقہ دستور ہو یا ۷/ستمبر ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں اور لاہوریوں کو پارلیمنٹ سے غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا متفقہ فیصلہ، ہر جگہ، ہر مقام اور ہر معاملے میں علمائے کرام نے اپنی بساط سے بڑھ کر راہبری وراہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

تاریخ اس پر بھی شاہد ہے کہ علمائے کرام کی مشاورت کے بغیر جنرل ایوب خان نے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی بنا کر اور ڈائریکٹر کے طور پر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو صرف اس لیے درآمد کیا کہ اہل پاکستان کو ماڈرن اسلام کا تحفہ پیش کیا جائے، جس کی ایک جھلک عائلی قوانین ہیں، جو آج تک مسلم پاکستانی عوام کے لیے سوہانِ روح بنے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک سادہ لوح مسلمان جب کسی دارالافتاء سے قرآن وسنت کی روشنی میں خلع یا پوتے کی میراث کا مسئلہ دریافت کرتا ہے تو جواب کچھ اور ملتا ہے اور آئے دن ہماری عدالتوں سے جو فیصلے ہورہے ہیں، وہ کچھ اور ہیں۔ اسی طرح صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم نے علماء کرام کی مشاورت کے بغیر جو زکوٰۃ آرڈی نینس نافذ کیا وہ آج تک ایک معمہ سے کم نہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا عازم ہر آدمی پریشان ہے کہ آیا بینکوں کی کٹوتی سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اسی آرڈی نینس کی آڑ میں زکوٰۃ نہ دینے والے حیلوں، بہانوں سے اس کٹوتی سے اپنے آپ کو مستثنیٰ کرا لیتے ہیں۔

بہرحال مسلم معاشرہ کی حیثیت سے ہر مرد، عورت، امیر، غریب، آجر، اجیر، افراد، جماعت، ادارہ، راعی اور رعایا ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے راہبری وراہنمائی کے لیے اور اسلامی طرزِ زندگی اور معاشرہ تشکیل دینے کے لیے علمائے اُمت کی سیادت وقیادت اور ہدایات ومشاورت کو اپنا اُصول اور فریضہ بنائے۔

چونکہ ہمارا ملک پاکستان ملک دشمنوں کی کارستانیوں اور ان کے آلہ کاروں کی گھناؤنی سازشوں کی وجہ سے ایک دَہائی سے زیادہ کشت وخون، قتل وغارت، ظلم وفساد، خودکش بم دھاکے اور کئی ایک آفتوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، اس لیے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ریاستی اداروں نے ایک استفتاء اور مسودہ تیار کرایا، جو ملک کی بڑی جامعات، دینی اداروں، اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دینیہ کے تحت تمام وفاقوں، تمام مکاتبِ فکر کی سرکردہ شخصیات اور مذہبی تنظیموں کے سربراہوں کے پاس بھیجا گیا، سب کے اتفاق سے ''پیغامِ پاکستان'' کے نام سے یہ دستاویز تیار کی گئی۔

اس دستاویز کے ٹائٹل، ان ٹائٹل، فہرست، پیشِ لفظ، صدرِ پاکستان کے پیغام، مضامین اور ۱۸۲۱ علمائے کرام کے دستخطوں کو ملا کر کل ۹۰/صفحات بنتے ہیں۔

یہ ’’پیغامِ پاکستان‘‘ دستاویز اپنی فہرست کے مطابق درج ذیل عنوانات پر مشتمل ہے:

۱:......اسلامی ضابطۂ حیات

۲:......اسلامی جمہوریہ پاکستان، اس کی ذیلی فصلوں میں: [الف] قیام پاکستان کا منظر، [ب] قیام پاکستان، [ج] اسلامی جمہوریہ پاکستان کی کامیابیاں جیسے عناوین شامل ہیں۔

۳:......ریاستِ پاکستان اور پاکستانی معاشرے کو درپیش مسائل، اس کے ذیلی عناوین میں: [الف] ریاست کے خلاف جنگ، [ب] ریاستی اداروں اور عوام الناس کے خلاف دہشت گردی، [ج] فرقہ پرستی اور تکفیریت کا رجحان، [د] جہاد کی غلط تشریح، [ہ] امر بالمعروف کے عنوان سے قانون اپنے ہاتھ میں لینے کا رجحان، [و] قومی میثاق کو نظر انداز کرنے کا رجحان۔

۴:......متفقہ اعلامیہ

۵:......متفقہ فتویٰ، اس کی ذیلی سرخیوں میں: [الف] استفتاء، [ب] متفقہ فتویٰ (جوابِ استفتاء)، [ج] متفقہ فتویٰ (اہم نکات)

۶:......پیغام پاکستان، متفقہ اعلامیہ اور فتویٰ کی تیاری میں شریک محققین مختلف دینی مدارس کے وفاقوں کے ناظمین، علمائے کرام، مفتیانِ عظام اور قومی جامعات کے اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی۔

۷:......متفقہ فتویٰ (جوابِ استفتاء) جاری اور اس کی توثیق کرنے والے علمائے کرام کے دستخطوں کا عکس۔

۸:......۲۶ر مئی ۲۰۱۷ء کے متفقہ فتویٰ (اہم نکات) کی تیاری میں شریک مختلف دینی مدارس کے وفاقوں کے ناظمین، علمائے کرام، مفتیانِ عظام اور قومی جامعات کے اساتذہ کرام کے دستخطوں کا عکس۔

۹:......۲۶ر مئی ۲۰۱۷ء کے متفقہ اعلامیہ کی تیاری میں شریک مختلف دینی مدارس کے وفاقوں کے ناظمین، علمائے کرام، مفتیانِ عظام اور قومی جامعات کے اساتذہ کرام کے دستخطوں کا عکس۔

۱۰:......متفقہ فتویٰ اور اعلامیہ کی توثیق کرنے والے علمائے کرام، مفتیانِ عظام اور اساتذۂ کرام کے اسمائے گرامی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ’’پیغام پاکستان‘‘ دستاویز میں شامل استفتاء اور اس کا جواب یہاں نقل کیا جائے:

’’استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ہمارے ملک پاکستان میں عرصۂ دراز سے بعض حلقوں کی جانب سے حکومتِ پاکستان اور پاکستان کی مسلح افواج کے خلاف مسلسل خونریز کارروائیاں

جاری ہیں، یہ حلقے نفاذِ شریعت کے نام پر پاکستان کی حکومت اور اس کی افواج کو اس بنا پر کافرومرتد قرار دیتے ہیں کہ انہوں نے ابھی تک ملک میں شریعت کو مکمل طور پر نافذ نہیں کیا، اس کی بنا پر ان کے خلاف مسلح کارروائیوں کو جہاد کا نام دے کر نوجوانوں کو ان کارروائیوں میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ نیز ان کارروائیوں کے دوران خودکش حملے کرکے بے گناہ شہریوں اور فوجیوں کو نشانہ بناتے اور اُسے کارِ ثواب قرار دیتے ہیں۔ اس صورت حال میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

۱:- کیا پاکستان اسلامی ریاست ہے یا غیر اسلامی؟ نیز کیا شریعت کو مکمل طور پر نافذ نہ کرسکنے کی بنا پر ملک کو غیر اسلامی ملک اور اس کی حکومت یا افواج کو غیر مسلم قرار دیا جاسکتا ہے؟

۲:- کیا موجودہ حالات میں نفاذِ شریعت کی جدوجہد کے نام پر حکومت یا افواج کے خلاف مسلح بغاوت جائز ہے؟

۳:- پاکستان میں نفاذِ شریعت اور جہاد کے نام پر جو خودکش حملے کیے جارہے ہیں، قرآن وسنت کی روشنی میں ان کا کوئی جواز ہے؟

۴:- اگر مذکورہ تین سوالات کا جواب نفی میں ہے تو کیا حکومتِ پاکستان اور افواجِ پاکستان کی طرف سے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے جو مسلح کارروائیاں کی جارہی ہیں، وہ شریعت کی رُو سے جائز ہیں؟ اور کیا مسلمانوں کو اُن کی حمایت اور مدد کرنی چاہیے؟

۵:- ہمارے ملک میں مسلح فرقہ وارانہ تصادم کے بھی بہت سے واقعات ہورہے ہیں، جن میں طاقت کے بل پر اپنے نظریات دوسروں پر مسلّط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، کیا اس قسم کی کارروائیاں شرعاً جائز ہیں؟

الجواب حامدًا ومصلیًا

سوالات کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں:

۱:- اسلامی جمہوریہ پاکستان یقیناً اپنے دستور وآئین کے لحاظ سے ایک اسلامی ریاست ہے، جس کے دستور کا آغاز ہی قراردادِ مقاصد کے اس جملے سے ہوتا ہے کہ:

> ''اللہ تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکتِ غیرحاکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو اختیار واقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا، وہ ایک مقدس امانت ہے۔''

یہ قراردادِ مقاصد ملک کی تمام دینی اور سیاسی جماعتوں کے اتفاق سے دستور کا حصہ بنائی گئی اور ۱۹۵۶ء سے لے کر ۱۹۷۳ء تک ہر دستور میں موجود رہی اور آج بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ دستور کی دفعہ: ۳۱ میں مسلمانوں کو اسلامی طرزِ زندگی اپنانے کے لیے مختلف پالیسی کے اُصول وضاحت

کے ساتھ درج ہیں، نیز دفعہ: ۲۲۷ میں اقرار کیا گیا ہے کہ تمام موجودہ قوانین کو قرآن وسنت کے تحت اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو اسلامی احکام کے خلاف ہو، اس اصول پر عمل کروانے کے لیے دستور کے تحت وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کی شریعت بینچ کا راستہ کھلا ہوا ہے، جس کے تحت ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قرآن وسنت کے خلاف قوانین کو عدالت میں چیلنج کر کے اُنہیں تبدیل کروائے۔

ان اُمور کے پیشِ نظر پاکستان کسی شک وشبہ کے بغیر ایک اسلامی ریاست ہے اور کسی قسم کی عملی خامیوں کی بنا پر اُسے، اس کی حکومت یا افواج کو غیر مسلم قرار دینا ہرگز جائز نہیں، بلکہ گناہ ہے۔

۲:- چونکہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور پاکستان کی حکومت اور افواج' دستورِ پاکستان کے پابند اور اس کے مطابق حلف اُٹھاتے ہیں، اس لیے پاکستان کی حکومت یا افواج کے خلاف مسلح کارروائیاں یقیناً بغاوت کے زمرے میں آتی ہیں، جو شرعاً بالکل حرام ہیں۔ دستورِ پاکستان کی اسلامی دفعات کو مکمل طور پر نافذ کرنا بلا شبہ حکومت کی اولین ذمہ داری ہے، اور اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے پرامن اور آئینی جدوجہد بے شک مسلمانوں کا اہم فریضہ ہے، لیکن اس مقصد کے لیے ہتھیار اُٹھانا فساد فی الارض ہے اور رسولِ کریم ﷺ کی واضح احادیث میں اس کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے اور جو لوگ اس مسلح بغاوت میں شریک یا اس کی کسی بھی طرح مدد یا حمایت کرتے ہیں، وہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات کی کھلی نافرمانی کررہے ہیں، سرکارِ دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے:

''ألا مـن ولـي عليه والٍ فرأه يأتي شيئًا من معصية الله فليكره ما يأتي من معصية الله ولا ينزعن يداً من طاعة۔'' (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۴۷۶۸)

''خوب سن لو کہ جس شخص پر کوئی حاکم بن جائے اور وہ اُسے گناہ کرتے دیکھے تو جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی وہ کررہا ہے، اُسے برا سمجھے، لیکن اطاعت سے ہرگز ہاتھ نہ کھینچے۔''

تقریباً متواتر احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ کسی مسلمان حکومت کے خلاف مسلح کارروائی اور خونریزی بدترین گناہ ہے۔

۳:- اسلام میں خودکشی بدترین گناہ ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿لاتَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ﴾ (سورۂ نساء، آیت نمبر: ۲۹)

''تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔''

اور بہت سی احادیث میں خودکشی کو بدترین عذاب کا موجب قرار دیا گیا ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے:

’’من قتل نفسهٗ بحديدة فحديدتهٗ في يدهٖ يتوجأ بها في بطنهٖ في نار جهنم خالداً فيها أبداً۔‘‘ (جامع الاصول بحوالہ بخاری ومسلم)

’’جوشخص کسی لوہے کے ہتھیار سے خودکشی کرے، تو جہنم کی آگ میں اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا، جس سے وہ اپنے پیٹ میں ضرب لگا رہا ہوگا، اور اس آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔‘‘

نیز جن لوگوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ کو بتایا گیا کہ انہوں نے خودکشی کی ہے، ان کے بارے میں آپ ﷺ نے سخت وعید ارشاد فرمائی، اور ایک ایسے شخص کی آپ ﷺ نے نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھی۔ (ابوداؤد، حدیث: ۱۳۹۵)

یہ تو عام خودکشی کا حکم ہے اور اگر یہ خودکشی کسی دوسرے مسلمان کو مارنے کے لیے کی جائے تو یہ دوہرے گناہ کا سبب ہے: ایک خودکشی کا گناہ، اور دوسرے کسی مسلمان کی جان لینا، جس کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَأَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (سورۃ النساء: ۹۳)

’’جوشخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور وہ اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لیے اللہ نے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔‘‘

نیز جو غیر مسلم اسلامی ریاست میں امن کے ساتھ رہتے ہیں، انہیں قتل کرنے کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے یہ سخت وعید بیان فرمائی ہے:

’’من قتل نفساً معاهداً لهٗ ذمة الله وذمة رسولهٖ فقد أخفر بذمة الله فلا يرح رائحة الجنة۔‘‘ (جامع ترمذی، حدیث: ۱۴۰۳)

’’جوشخص کسی غیر مسلم کو جس کے ساتھ (اسلامی حکومت کا) معاہدہ ہے، اس کی جان کے تحفظ کا ذمہ اللہ اور اس کے رسول نے لیا ہے، اب جوشخص اللہ کے ذمہ کی بے حرمتی کرے، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا۔‘‘

پاکستان میں جو خودحملے کیے جارہے ہیں وہ تین طرح کے شدید گناہوں کا مجموعہ ہیں: ایک خودکشی، دوسرا کسی بے گناہ کو قتل کرنا، تیسرا مسلمان حکومت کے خلاف بغاوت۔ لہٰذا یہ خودکش حملے کسی بھی تاویل سے جائز نہیں ہوسکتے اور ان کی حمایت کرنا گناہوں کے مجموعے کی حمایت کرنا ہے۔

۴:- پچھلے تین نکات سے یہ واضح ہے کہ جو لوگ شریعت کے نام پر یا قومیت کے نام پر حکومت کے خلاف مسلح کارروائیاں کررہے ہیں، وہ شرعاً مسلمان ریاست کے خلاف کھلی بغاوت ہے

اور ایسی صورت میں قرآن کریم کا واضح حکم ہے کہ:

﴿ فَقَاتِلُوْا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْءَ إِلٰی أَمْرِ اللّٰهِ ﴾ (الحجرات:۹)

’’جو گروہ بغاوت کر رہا ہے اُس سے اس وقت تک لڑو جب تک وہ اللہ کے حکم کی طرف واپس نہ آ جائے۔‘‘

لہٰذا حکومتِ پاکستان یا افواجِ پاکستان کا شرعی حدود میں رہتے ہوئے ان باغیوں کے خلاف لڑنا جائز ہی نہیں، بلکہ قرآنی حکم کے تحت واجب ہے اور اس سلسلے میں ریاستی کوششوں کے تحت جو آپریشن کیے جارہے ہیں، اس میں افواجِ پاکستان کی حمایت اور بقدرِ استطاعت مدد کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔

۵:-مختلف مسلکوں کا نظریاتی اختلاف ایک حقیقت ہے، جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس اختلاف کو علمی اور نظریاتی حدود میں رکھنا واجب ہے۔ اس سلسلے میں انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے تقدس کو ملحوظ رکھنا ایک فریضہ ہے، اور آپس میں ایک دوسرے کے خلاف سب وشتم، اشتعال انگیزی اور نفرت پھیلانے کا کوئی جواز نہیں اور اس اختلاف کی بنا پر قتل وغارت گری، اپنے نظریات کو دوسروں پر جبر کے ذریعہ مسلط کرنا یا ایک دوسرے کی جان کے درپے ہونا بالکل حرام ہے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔‘‘

....

اس ’’پیغامِ پاکستان‘‘ دستاویز کے اجراء کے موقع پر جہاں صدرِ مملکت، ریاستی اداروں کے اراکین، حکومتی وزراء، اتحادِ تنظیماتِ مدارس دینیہ کے تحت تمام وفاقوں کے صدور وناظمین اور علمائے کرام کی کثیر تعداد شریک تھی، وہاں دوسرے حضرات کے علاوہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے علمائے کرام، مذہبی جماعتوں، پوری پاکستانی قوم اور اُمتِ مسلمہ کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہوئے پرمغز اور پراثر خطاب فرمایا، کسی قدر حک واضافہ کے بعد افادۂ عام کی خاطر اُسے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

’’جناب صدرِ مملکت، وزراء کرام، علماء ومشائخ عظام، اس تقریب میں موجود تمام اہلِ علم، اداروں سے وابستہ اہم شخصیات، میرے بھائیو اور بہنو!

ایک مبارک موقع ہے! جب ریاست کی نگرانی میں مملکت کے زیرِ سایہ یہاں ملک کے تمام مکاتبِ فکر جمع ہیں، مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندے یہاں جمع ہیں، حکومت اور حزبِ اختلاف سے تعلق رکھنے والے حضرات یہاں جمع ہیں، اور ریاست کے ساتھ اپنی بھرپور اور گہری وابستگی ووفاداری کا اظہار کررہے ہیں۔ اِسے ’’پیغامِ پاکستان‘‘ کا نام دیا گیا ہے۔ اور یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہوگی کہ

ہم عالمی برادری کو اور اسلامی برادری کو یہ باور کراسکیں کہ ہم ایک پُر امن ملک ہیں، پوری قوم امن چاہتی ہے، اور امن کو سبوتاژ کرنے والوں کے مقابلہ میں پوری قوم ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے۔

میرے محترم بزرگو اور دوستو! انسانی معاشرہ میں اور حیاتِ اجتماعی میں امن وسکون اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فطری زندگی ہے۔ انسانی فطرت تقاضا کرتی ہے کہ جب وہ مدنی الطبع ہے، مل جل کر رہتا ہے، ریاستوں کی صورت میں، شہروں کی صورت میں، دیہاتوں کی صورت میں، محلوں کی صورت میں تو پھر انہیں ایک دوسرے کی عزت اور جان و مال کے حقوق کا لحاظ رکھنا ہے، اُس کا احترام کرنا ہے، اور اسی لیے تمام قوانین اور تمام دنیا کے دساتیر وجود میں آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت بڑی واضح ہے کہ ربُّ العزت کیا چاہتے ہیں؟! مدینہ منوّرہ میں جو قوتیں فساد برپا کرنے کے لیے سازشیں کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اُس کی تعبیر اِن الفاظ میں فرمائی: ''كُلَّمَا أَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللّٰهُ'' (المائدۃ:۶۴) جب اِن لوگوں نے جنگ کی آگ بھڑکانا چاہی تو اللہ نے اُس کو بجھایا ہے، رب کی مشیت ایک پُر امن ماحول دینا ہے۔ حضرتِ انسان کو اللہ نے پیدا کیا تو اسے لفظِ ''خلیفہ'' سے تعبیر کیا، اور جب انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نیابت کے عظیم الشان منصب پر فائز کیا تو مقصود انسانی معاشرہ میں انصاف، عدل اور امن کا قیام تھا، حقوق کا تحفظ تھا، جان و مال اور عزت وآبرو کا تحفظ تھا۔ لیکن انسانی تخلیق کے عناصر کو سامنے رکھتے ہوئے ملائکہ نے ضرور اس شبہ کا اظہار کیا: ''قَالُوْا أَتَجْعَلُ فِيْهَا مَن يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ'' (البقرۃ:۳۰) آپ ایک ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتے ہیں جو زمین میں فساد پھیلائے گی اور خون بہائے گی؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کی اِس رائے، شک، اور گمان کے علی الرغم فرمایا: ''قَالَ إِنِّيْ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ'' (البقرۃ:۳۰) میں جو کچھ کررہا ہوں، ٹھیک کررہا ہوں۔

کیا ہم نے کبھی اپنی اس ذمہ داری کا احساس کیا ہے کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے ریاست کو وجود میں لاکر قراردادِ مقاصد کے ذریعہ سے ہم نے جو پہلا عہد اپنی قوم کے ساتھ کیا، وہ یہی کہ قوم کے نمائندوں کے ذریعہ سے اللہ کی نیابت کرتے ہوئے قومی و اجتماعی زندگی قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق گزاریں گے۔ اس حوالہ سے علماء کرام کی اپنی کوششیں ہیں، مختلف مکاتبِ فکر کی کوششیں ہیں۔ ریاست نے جب بھی تمام مکاتبِ فکر کے علماء کرام کو اتحاد کی دعوت دی ہے، علمائے کرام نے اس پر لبیک کہا ہے۔ پھر بھی الزام اِنہی کے اوپر ہے کہ آپ ہی لوگ، مذہبی لوگ ہی فساد کی جڑ ہیں۔ ۱۹۵۱ء میں ۲۲ اسلامی نکات ملکی نظام کے لیے بطورِ اَساس اور اُصول کے تمام مکاتبِ فکر نے متفقہ طور پر تجویز کیے تھے۔ حضرت مولانا تنویرالحق تھانوی صاحب تشریف فرما ہیں، اِنہی کے گھر جیکب لائن پر اجتماع ہوا

تھا، اور آج وہ ہماری دستاویز ہے۔ کیا پاکستان کی تاریخ میں ہم نے اُن ۲۲ اُصولوں کو کوئی اپنی پالیسی اور نظام کی بنیاد بنانے کے لیے توجہ دی ہے؟ قراردادِ مقاصد پر اتفاق، ۲۲ اسلامی نکات پر اتفاق، اور جب ملک کو متفقہ آئین ملا تو پارلیمنٹ کے اندر تمام مکاتبِ فکر نے اِس آئین کو ایک متفقہ اسلامی آئین کے طور پر قوم کے سامنے رکھنے میں جو کردار ادا کیا' کس سے مخفی ہے؟! یہاں سوال پیدا کیا جاتا رہا کہ اسلام تو ہم سب چاہتے ہیں، لیکن کس کا اسلام؟ سنی کا اسلام، شیعہ کا اسلام، دیوبندی کا اسلام، بریلوی کا اسلام، سلفی کا اسلام، کس کا اسلام ہمیں چاہیے؟ چناں چہ اِس کا جواب دیا گیا اور باقاعدہ اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی۔ مسئلہ اعتقادات کا ہو تو اُس کا تعلق فرد کے ساتھ ہے، مسئلہ عبادات کا ہو تو اُس کا تعلق فرد کے ساتھ ہے، لیکن قوم کو جس نظام کی ضرورت ہے' حیاتِ اجتماعی میں ہمیں جس نظام کی ضرورت ہے، اُس پر اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے آئینی ادارہ قائم کیا گیا، تمام مکاتبِ فکر اُس میں موجود ہیں، ماہرینِ آئین اُس میں موجود ہیں، سینئر وکلاء اُس میں موجود ہیں اور آج تک اُس کی جتنی بھی سفارشات ہیں' تمام مکاتبِ فکر کے جو نمائندے کونسل کے اندر ہیں اُن کے نزدیک بھی متفقہ ہیں اور جو باہر مکاتبِ فکر ہیں اُن کے اندر بھی متفقہ ہیں، لیکن ۱۹۷۳ء سے لے کر آج تک (جب ہم اور آپ ایک بیانیہ پر اتفاق کا اعلان کر رہے ہیں) پاکستان میں ایک سفارش پر بھی قانون سازی کی نوبت اب تک نہیں آئی، اِس کا ذمہ دار کون ہے؟ کس کو ٹھہرائیں اِس کا ذمہ دار؟ ہمیں آپ مصروف کریں ملک کے لیے، ریاست کے لیے، تاکہ اِس کو حقیقی معنوں میں ہم ایک اسلامی ریاست بنا سکیں۔

ہمارا مؤقف ہے کہ آج چودھویں پندرھویں صدی کا مسلمان اپنی تمام تر کوتاہیوں' تمام تر فسق و فجور کے باوجود بہر حال! اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، اور ہم بھی اُسے مسلمان سمجھتے ہیں، لہٰذا اِن گناہ گاروں کے بشمول اور اِن کی جدّ و جہد سے جو ریاست وجود میں آئی' وہ گو کہ عملی طور پر ہزار کمزور، لیکن اُس ریاست کو عقیدہ کے اعتبار سے ایک اسلامی اور مسلمان ریاست کہا جائے گا، جیسے کہ مفتی منیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ: ۲۰۰۴ء میں مَیں نے فتویٰ لکھا اور اُس پر تمام علماء کرام کے دستخط موجود ہیں' یہ ایک کاوش ہے۔

جمعیت علمائے اسلام نے پشاور میں صوبہ خیبر پختون خوا کے ۲۵ ہزار علماء کرام کو اکٹھا کیا۔ پہاڑ کی چوٹی پر اگر چھوٹا سا مدرسہ ہے اُس کے عالمِ دین کو بھی بلایا اور ایک بیانیہ جاری کیا۔ اِن تمام چیزوں سے براءت کا اعلان کیا گیا۔ اور آئین کے مطابق ملک کے اندر کردار ادا کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔

لاہور میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء کرام نے متفقہ اعلامیہ جاری کیا اور اُس کا مسوّدہ میں نے خود لکھا تھا، مکمل اتفاق کے ساتھ اُس کو قبول کر لیا گیا۔ اُس وقت اُس اجلاس میں ہمارے شہید مولانا سرفراز نعیمی صاحب بھی موجود تھے۔

لاہور میں جامعہ اشرفیہ کے اندر وفاق المدارس العربیہ کے تمام علماء کرام طول وعرض سے اکٹھے ہوئے، اور ایک جامع اعلامیہ جاری کیا اور تمام علمائے کرام نے اتفاقِ رائے کے ساتھ اُس پر دستخط کردیئے، جس میں یہاں تک لکھا گیا کہ: پاکستان میں مسلح جنگ غیر شرعی ہے۔ ہر طرف سے اِس پر اتفاق رہا ہے، ہمیشہ اتفاقِ رائے رہا ہے۔

ووٹ کی شرعی حیثیت پر سب سے پہلے فتویٰ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے دیا تھا اور آج بھی اُن کے فتاویٰ میں موجود ہے، انہوں نے ملکی جمہوریت کے لیے علمی رائے پیش کی تھی۔

ہمارے تمام اکابرین پارلیمنٹ سے وابستہ رہے ہیں، پارلیمانی سیاست سے وابستہ رہے ہیں، ہم آج بھی آج کے اِس بیانیہ پر اتفاق کرتے ہیں۔ بندوق کے ذریعہ شریعت کا مطالبہ غلط ہے، جو لوگ اِس قسم کا مطالبہ بندوق کے ذریعہ کرتے ہیں، اُن سے ہزار ہزار مرتبہ برأت کا اعلان! لیکن جمہوریت اور پارلیمان کے راستہ سے‘ جائز راستہ سے مجھے کب شریعت ملے گی؟ آئینی راستہ سے میری یہ تشنگی کب دور ہوگی؟ ریاست اس کا بھی احتساب کرے، اور اپنا بھی احتساب کرے ناں! میرا تو روز روز احتساب ہو رہا ہے، مجھ سے تو روز روز لکھوایا جارہا ہے کہ میں پاکستان کا وفادار ہوں۔ ریاست اور شہری کے درمیان ایک رابطہ ہوتا ہے، جہاں ریاست شہری کے جان و مال کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے، جہاں ریاست ایک سایہ ہے، وہاں فرد اپنی وفاداری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس رشتہ میں ہم قائم ہیں۔

میں نے آپ کے سامنے صرف اُن تین دستاویزات کی بات کی جس میں‘ میں خود شریک تھا۔ حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ اُس کے علاوہ ہے، اور بھی علماء نے بار بار اس پر کام کیا ہے۔ اِس تمام کے باوجود میرا مدرسہ، میری مسجد، میرے مدرسہ کا استاذ، میرے مدرسہ کا طالب علم، میرے مدرسہ کا قرآن وسنت کا نظامِ تعلیم، میرے ملک کی ڈاڑھی اور پگڑی؛ اُس پر اعتماد کب کیا جائے گا؟ وہ دن بھی تو ہمیں بتادو! اعتماد دوطرفہ ہونا چاہیے۔ مدارس پر روزانہ چھاپے لگائے جارہے ہیں، آدھی رات میں طلبہ کو اُٹھا کر میدان میں لایا جاتا ہے، تشدد کیا جاتا ہے، مارا پیٹا جاتا ہے، اب میں اِس پر شاکی ہوں کہ میں نے ساری سیاسی اور مذہبی زندگی اِس بات پر گزاردی کہ میں ان دہشت گردوں، ان مسلح تنظیموں اور اسلحہ کے ذریعہ شریعت کی بات کرنے والوں کو تنہا کردوں اور ہم نے اِنہیں تنہا کیا ہے، الحمد للہ! آج تمام مدارس آپ کے ساتھ ہیں، تنظیماتِ مدارس آپ کے ساتھ ہیں، تمام مکاتبِ فکر کی تنظیمیں آپ کے ساتھ ہیں، لیکن جب مدرسہ کے اجتماعی نظام پر حملہ کیا جاتا ہے اور اجتماعی طور پر پورے ماحول میں تشدُّد کیا جاتا ہے‘ وہ دو بندے جو مجرم ہوتے ہیں‘ جب اُن کو اُٹھایا جاتا ہے، صبح دیکھتے ہیں کہ ساری ہمدردیاں پھر اُن کے ساتھ ہوتی ہیں، اور ہم پھر تنہا نظر آتے ہیں۔

علماء کرام کو فورتھ شیڈول میں مستقل مجرم قرار دیا جارہا ہے۔ اگر میں نے جناب صدرِمملکت! آپ پر اعتماد کرنا ہے تو آپ نے بھی آج کے بعد ہمیں شک کی نگاہ سے نہیں دیکھنا، تب بات چلے گی۔ دونوں طرف اعتماد ہونا چاہیے! میں آپ پر اعتماد کرتا ہوں، آپ مجھ پر اعتماد کریں۔ جس طرح آپ آج مجھے اکٹھا کرسکتے ہیں، خدا کی قسم! قیامت تک آپ مجھے اِسی طرح متحد رکھ سکتے ہیں، اگر آپ چاہیں تو کوئی جھگڑا نہیں ہوگا۔ ساری تاریخ ہماری ایک ہے۔

اہل بیتؓ بھی ہمارے ہیں، صحابہ کرامؓ بھی ہمارے ہیں۔ اہل بیتؓ سے نفرت کرنے والا بھی اپنے ایمان پر نظر رکھے، صحابہ کرامؓ سے نفرت کرنے والا بھی اپنے ایمان پر نظر رکھے۔ یہ ہماری اساس ہے، اگر یہ اساس بیچ سے ہٹ گئی تو میں اور آپ کس سند سے دنیا کے سامنے اسلام پیش کریں گے؟ سند کیا رہ جاتی ہے میری اور آپ کی؟ تو اِس اعتبار سے بھی ہم نے آج اِس اجتماعیت کو پیدا کرنا ہے، اِس وحدت کو پیدا کرنا ہے۔ میرا آپ سے اختلاف ہوسکتا ہے، آپ کا مجھ سے اختلاف ہوسکتا ہے۔ اختلاف کے اپنے گوشے ہیں، ہم اسلام کی ترجیح کو اول درجہ میں کیوں نہیں رکھ سکتے؟ اور مسلکی شناخت کو ہم نے پہلی ترجیح کیوں قرار دیا ہے؟ یہ ہے ہمارے سامنے بڑا سوال! جس کی سزا میں بھی بھگت رہا ہوں، میرا گریبان بھی پھاڑا جارہا ہے، وجہ کیا ہے؟ میں ریاست سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ ناراض نہ ہونا، آج کی مجلس ہے ہی اِسی لیے، تاکہ ہم تھوڑی چیزیں آپ کے ذہن میں ڈالیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل کے ادارہ میں جب تمام مکاتبِ فکر نے وحدت کا مظاہرہ کرلیا اور آج تک کر رہے ہیں، اب جمہوری راستہ سے ہم نے ملک میں اسلام لانا ہے، اب تمام دینی قوتیں یکجا ہوکر ایک بازو بن کر، تو پھر ریاست کے گریبان میں پڑے گا ناں! ریاست بہت ہوشیار ہے، ریاستی ادارے بہت ہوشیار ہیں، ایسے حالات پیدا کرلیتے ہیں کہ اسلام کی بات کرنے والے اپنی طاقت ایک دوسرے کے خلاف استعمال کریں، تاکہ مجتمع ہوکر وہ ریاست پر دباؤ نہ ڈال سکیں۔ یہ ہمارے لیے بھی سبق ہے، ہم بھی اس بات کو سوچیں کہ ہم آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں؟ کیوں شدّت کی طرف جاتے ہیں؟ اسلام تو ہمیں اعتدال کا راستہ دکھاتا ہے۔ قرآن کریم ہماری تعلیمات کا منبع ہے جو ہمارے اندر اُترتا ہے اور ہمیں انسان بناتا ہے، وہ تو مجھے اعتدال کی امت کہتا ہے: ’’وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَاکُمْ أُمَّةً وَّسَطاً‘‘ (البقرۃ:۱۴۳) تو پھر میری قرآن سے وابستگی کو شدّت پسندی سے کیوں تعبیر کیا جارہا ہے؟ ہم اعتدال پر آئیں! تجزیہ میں فرق ہوسکتا ہے۔ جب تک میں مذہب کی بات کروں گا، دین کی بات کروں گا‘ میری طرف نسبت ہوگی: یہ بڑے شدت پسند ہیں، ملا لوگ بڑے سخت لوگ ہیں، لیکن یہ تجزیہ شاید صحیح نہیں ہے۔

ہمارے ملک میں جو لبرلز ہیں‘ وہ بالکل پانی اور مائع ہوچکے ہیں، اُن کو ہم کہتے ہیں کہ آپ بہت ہی

پگھل گئے ہیں اُن کے سامنے۔تم ذرا اپنے اندر صلابت پیدا کرو، ہم اپنے اندر نرمی پیدا کریں، خیر خیریت سے ملک چلے گا۔ایک صف میں آجائیں گے سارے لوگ۔آپ تو عالمی قوتوں کے مقابلہ میں پانی بن جائیں اور خود پانی ہو کر میرے اعتدال کو شدّت سے تعبیر کریں۔پھر یہ انصاف کا تقاضا نہیں ہوگا۔تم بھی پانی مت بنو ناں! مت جھکو اتنا آگے کہ ٹرمپ جیسا آدمی آپ کی گردن پر سوار ہو جائے۔اب عقل مند آدمی کا تو آدمی جواب بھی دے سکتا ہے، ٹرمپ کا کیا جواب دو گے؟ اِس قسم کی دنیا سے ہمارا واسطہ ہے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ جس طرح دعوت میں حکمت کا تقاضا ہوتا ہے، دعوت‘ حکمت کا تقاضا کرتی ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ’’**اُدْعُ إِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ أَحْسَنُ** ‘‘(النحل:۱۲۵) حکمت کے ساتھ دعوت دیا کرو، خوبصورت لب ولہجہ کے ساتھ دعوت دیا کرو، شائستہ اندازِ گفتگو کے ساتھ دعوت دیا کرو! اور اگر کبھی بحث ومباحثہ کا مسئلہ بھی پیش آجائے تو ’’بِالَّتِیْ ھِیَ أَحْسَنُ ‘‘ شائستہ انداز کے ساتھ۔

بین المذاہب مکالمہ کے تصور کی سب سے پہلے ہم نے حمایت کی۔ہم بین المذاہب مکالمہ کے حق میں ہیں، لیکن بین المذاہب مکالمہ پُر امن ماحول چاہتا ہے۔آپ نے میرے سر پر تلوار اُٹھائی ہوئی ہے، آپ میری گردن کو بھی مار رہے ہیں، اور آپ مجھے کہتے ہیں کہ مذاکرہ بھی کرو، مکالمہ بھی کرو! میرے سر کے اوپر جنگ کے بادل ہیں، بارود برس رہا ہے، میرے بچوں‘ میری اُمت کا پوری دنیا میں خون بہہ رہا ہے، آپ میرا خون بھی بہاتے رہیں، اور آپ مجھے مجبور بھی کریں کہ آؤ! میرے ساتھ مباحثہ کرو! ہاں ہم مباحثہ کے لیے تیار ہیں، آپ بھی تو جنگ بند کردیں۔

اور میں ریاست کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں: امن وامان ہمارا داخلی مسئلہ ہے، وزیر داخلہ تشریف فرما ہیں، روزِ اوّل سے ہم یہ موقف دے رہے ہیں، اُس وقت بھی جب ۲۰۰۱ء میں عالمی اتحاد کا حصہ بننے کی بات کی جارہی تھی۔ہم نے اُس وقت بھی کہا تھا کہ پاکستان کو اِس دلدل میں مت ڈالو! امن وامان داخلی مسئلہ ہے، ہم پاکستان کے اندر اِن عناصر کے ساتھ نمٹ سکتے ہیں، لیکن بین الاقوامی جنگ کا حصہ بننے کے بعد پھر آپ اِس جنگ کی حدود کو افغانستان تک محدود نہیں کرسکیں گے۔پڑوس میں آگ لگ جائے تو اُس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اُس پر پانی ڈالا جاتا ہے۔ہماری پالیسی یہ کہ ہم نے افغانستان کے اندر برپا ہونے والی جنگ پر تیل چھڑکنا شروع کردیا، جس کے شعلے پاکستان میں داخل ہوگئے، اور آج ہم اُس سے نبردآزما ہیں۔اپنی پالیسیوں پر بھی نظر ثانی کرنی چاہیے۔

ہماری پالیسی واضح ہے۔جو لوگ ہماری بات نہیں مانتے، وہ تنہا ہیں۔اُن کو تنہا کرنا پڑے گا۔آج کے اِس اجتماع سے بھی وہ تنہا ہیں۔لیکن ریاست کی سطح پر بھی اگر ہم سے کوئی غلطیاں ہوئی ہیں‘ اُس کے

ازالہ کے لیے بھی ہم نے بولڈ اسٹیپس لینے ہوں گے، پالیسی اسٹیٹ منٹ دینا ہوگی ہمیں۔ اور اِس طرح ہم پاکستان کے مستقبل کو روشن کرنا چاہتے ہیں۔

مملکتیں امن سے چلتی ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سَلُوْا اللّٰہَ الْعَافِیَۃَ !'' اللہ سے عافیت طلب کیا کرو! ''وَلَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ !'' دشمن کے ساتھ آمنا سامنا کرنے کی تمنا نہ کیا کرو، جنگ کی خواہش نہ کیا کرو! ''وَإِذَا لَقِیْتُمْ فَاثْبُتُوْا !'' ہاں! اگر مقدر ہے، جنگ درپیش ہو جائے، پھر بزدلی نہیں دکھانا، پھر ڈٹ جاؤ اُس کے مقابلہ میں! تدریج کے ساتھ، پہلی چیز عافیت ہے، جنگ کی تمنا کبھی نہ کیا کرو، اور اگر درپیش ہو جائے تو پھر ڈٹ جایا کرو۔

میں نے کئی مرتبہ علماء کرام کی خدمت میں عرض کیا ہے کہ: جہاد ایک فریضۂ شرعی ہے اور جہاد کرنے والے کا اتنا اجر وثواب ہے! اور ساری چیزیں اپنی جگہ پر، لیکن جہاد کا تو میدان بڑا وسیع ہے۔ صرف بندوق اور تلوار' اور وہ بھی اپنی ریاست کے ساتھ اور اُس کو جہاد کہنا؛ اِس پر علماء کرام اتفاق نہیں کررہے آپ کے ساتھ، اِس تصوُّر کے ساتھ اختلاف ہے۔ تو اِس حوالہ سے کوئی ابہام موجود نہیں ہے۔ جو آپ کو وسائل ریاست مہیا کرتی ہے، آئین مہیا کرتا ہے، اُس میں جو آپ کے بس میں ہے' آپ وہ کرتے جائیں، اِس سے آگے مت جائیں۔ آپ جلسے کریں، آپ جلوس کریں، آپ پارلیمنٹ میں جائیں، آپ اپنا نظریہ پیش کریں، بحث چلے وہاں پر۔ اِس اعتبار سے اصل چیز ہے: امن!

حضرت ابراہیم علیہ السلام جو شرک کے خلاف لڑتے رہے، بتوں کو توڑتے رہے، اس پاداش میں آگ میں پھینکے گئے، لیکن جب امامتِ کبریٰ ملی: ''وَإِذِ ابْتَلٰی إِبْرَاهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ'' اللہ نے امتحانات لیے اور آپ اُس میں کامیاب ہوئے: ''قَالَ إِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً'' (البقرۃ:۱۲۴) اب انسانیت کے امام بن گئے، امرِ اجتماعی آپ کے ہاتھ میں آ گیا، اب آپ اِس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو کا زاویہ دیکھیں: ''وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَداً آمِناً'' (البقرۃ:۱۲۶) کُرّۂ ارض کے سب سے بڑے مُوَحِّد، شرک کے خلاف سب سے بڑے مجاہد، لیکن جب امرِ اجتماعی کی ذمہ داری آئی تو فوراً آپ نے کہا: ''رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَداً آمِناً وَّارْزُقْ أَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ ۔'' اب آپ امن کے بھی خواہش مند ہیں اور اقتصادی خوشحالی کے بھی۔ ریاستیں امن سے چلتی ہیں، ریاستیں اقتصادی خوشحالی سے چلتی ہیں، اپنے وسائل کو کب ہم استعمال کریں گے؟ تاکہ ہم دنیا کی حاجتوں سے بے نیاز ہوں! ہم کُرّۂ ارض پر اللہ کے نائب ہیں، تو جب اللہ ایک ہے تو اس کی نیابت کا تقاضا ہے کہ مؤمن ایک رہے۔ اگر اللہ بے نیاز ہے تو پھر اُس کی بے نیازی کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے، اُن کی مدد اور قرضوں سے بے نیاز ہو جائے۔ اِن تعلیمات کو سامنے رکھتے

ہوئے ہم ریاست کو کب تشکیل دیں گے؟ ہمیں پہلی چیز امن چاہیے۔

پانچ/ چھ سال پہلے غالبًا میں بنّوں میں تھا، رات کو میں سویا ہوا تھا تو میں خواب دیکھ رہا ہوں کہ: ''حضرت آدم علیہ السلام سے فون پر بات کررہا ہوں، اور حضرت آدم علیہ السلام مجھے فرماتے ہیں: تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: امن چاہتا ہوں۔ اُس کے بعد لائن کٹی نہیں، لیکن خاموشی کا ایک وقفہ آگیا، میں سوچتا ہوں کہ میں کچھ کہوں تو بے ادبی ہے، خاموش مسلسل رہوں تو لائن کٹ جائے گی، تو میں نے سلام عرض کیا، فرمایا: انتظار نہیں کرسکتے؟'' انتظار تو کررہے ہیں ہم، ابا نے کہہ دیا: انتظار کرو! تو اِس انتظار کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے آگے بڑھنا ہے، اتفاقِ رائے سے بڑھنا ہے۔

ہمارے اندر کی روح امن مانگتی ہے، اسی لیے جب ریاست نے امن کے قیام کے لیے فوج اور اداروں کو میدان میں اُتارا، ہم نے سپورٹ کیا' کیوں کہ ہم امن چاہتے ہیں۔ حکمت عملی میں اختلافِ رائے ہوسکتا ہے، لیکن ریاست مقدم ہے، جب اُس نے فیصلہ کیا، ہم نے پیروی کی۔ لہٰذا علماء کرام اِس بات پر بھی غور کریں کہ ریاست کی اپنی شرعی حیثیت کیا ہے؟! ریاست کی حاکمیت اور اُس کی اطاعت کا تصور کیا ہے؟! اور اِس پر اپنے نوجوانوں کو تعلیم دی جائے، تاکہ وہ اِس کی اہمیت کو سمجھیں، اور ریاست کے وفادار رہیں، ریاست کی اطاعت کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں پاکستان کے ساتھ وفادار رہنے، پاکستان کو عروج وترقی دینے کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ **وآٰخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین!**

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم نے بجا فرمایا ہے کہ: ۱:...... ریاست نے جب بھی علمائے کرام کو اتحاد کی دعوت دی ہے، تمام مکاتبِ فکر کے علمائے کرام نے اس پر لبیک کہا ہے۔ پھر بھی الزام اُنہیں دیا جاتا ہے کہ مذہبی لوگ فساد کی جڑ ہیں۔

۲:...... علمائے کرام نے ملکی نظام چلانے کے لیے بطور اساس اور اصول کے جو متفقہ ۲۲ نکات مرتب کیے تھے ان پر توجہ کیوں نہیں دی گئی؟!

۳:......۱۹۷۳ء سے لے کر آج تک اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر قانون سازی کیوں نہیں کی گئی؟

۴:...... علمائے کرام تو ہمیشہ اس بیانیہ کی تائید اور توثیق کرتے آئے ہیں اور آج بھی اس کی تائید وتوثیق کررہے ہیں۔

۵:...... مولانا نے سوال کیا کہ بندوق کے ذریعہ شریعت کا مطالبہ غلط اور ہم سو بار ایسے لوگوں سے براءت کا اعلان کرتے ہیں، لیکن ہمیں جمہوریت کے راستہ اور جائز راستہ سے شریعت کب ملے گی؟

ریاست اس کا بھی احتساب کرے۔

۶:......مولانا نے فرمایا: ریاست اور شہری کے درمیان رابطہ ہوتا ہے، جہاں ریاست شہری کے جان و مال کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے، وہاں فرد اپنی وفاداری کا مظاہرہ کرتا ہے، ہم اس رشتہ پر قائم ہیں۔

۷:......مولانا نے سوال کیا کہ علمائے کرام نے ہر موقع پر ریاست کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا، لیکن میرا مدرسہ، میری مسجد، میرے مدرسہ کا استاذ، میرے مدرسہ کا طالب علم، میرے مدرسہ کا قرآن وسنت کا نظامِ تعلیم، میرے ملک کی ڈاڑھی اور پگڑی پر اعتماد کب کیا جائے گا؟

۸:......مولانا نے واضح طور پر فرمایا: اہل بیتؓ بھی ہمارے ہیں، صحابہ کرامؓ بھی ہمارے ہیں اور یہ دونوں ہمارے دین کی اَساس ہیں، ان میں سے کسی ایک سے نفرت کرنے والا اپنے ایمان پر نظر رکھے۔ ہم اسلام کو اول ترجیح کیوں نہیں بناتے؟ مسلکی شناخت کو ہم نے پہلی ترجیح کیوں دی؟ کیوں ہم شدت کی طرف جاتے ہیں؟ ہم اعتدال کا راستہ کیوں نہیں اپناتے؟ یہ ہے ہمارے سامنے بڑا سوال جس کی سزا ہم سب بھگت رہے ہیں۔

۹:......مولانا صاحب نے اُمتِ مسلمہ کی طرف سے مغربی دنیا کو مخاطب کرکے فرمایا کہ: ایک طرف تم اس سے بین المذاہب مکالمہ کی بات کرتے ہو، حالانکہ ہم اس کے قائل ہیں، دوسری طرف ہمارے اوپر بم اور بارود برساتے ہو، تو مکالمہ کیسے ہوگا؟ مسلمانوں پر مسلط جنگ آج تم بند کرو، ہم مکالمہ کے لیے تیار ہیں۔

۱۰:...... مولانا نے فرمایا: جہاد ایک فریضۂ شرعی ہے، اس کا میدان وسیع ہے، اس پر بڑا اجروثواب ہے، لیکن اپنی ریاست کے خلاف ہتھیار اُٹھانا، علمائے کرام اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ اس لیے کہ مکالمہ اور مذاکرہ پرامن ماحول چاہتا ہے۔

مولانا صاحب نے علمائے کرام کو فرمایا کہ: اس پر غور کرلیں کہ ریاست کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ریاست کی حاکمیت اور اس کی اطاعت کا تصور کیا ہے؟ نوجوانوں کو اس کی تعلیم دی جائے، تاکہ وہ اس کی اہمیت کو سمجھیں اور ریاست کے وفادار رہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان اور اس کے تمام ریاستی اداروں کو مستحکم فرمائے، بیرونی دشمنوں سے اس کی حفاظت فرمائے، ہم پاکستانیوں کو اندرونی، نسلی، لسانی، عصبیتی اور فرقہ وارانہ اختلافات سے بچنے کی توفیق دے اور ہمارے ملک پاکستان کو اسلامی نظام کی برکات اور بہاروں سے جلد از جلد مالا مال فرمائے، آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

مردوزن کے قرآنی حدود!
اور اسلام کے نظامِ عفت کا اِجمالی خاکہ

حضرت مولانا بدیع الزمان رحمۃ اللہ علیہ
سابق استاذِ حدیث وناظم تعلیمات جامعہ

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں مردوزن کے باہمی اختلاط سے نسلِ انسانی کو پیدا فرمایا اور دونوں کے لیے خصوصی احکام نازل فرمائے اور اس امر کا خاص اہتمام فرمایا کہ ہر ایک (مرد ہو یا عورت) اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر مصروفِ عمل ہو، تاکہ معاشرہ پاکیزہ رہے، کسی کو بھی اپنے مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دی۔

موجودہ دور کی معاشرتی اور اخلاقی خرابیوں کا اصل سبب یہ ہے کہ مرد وعورت میں سے ہر ایک نے اسلام کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کر کے خالص حیوانی زندگی کو اپنا نصب العین بنالیا، اگر اسلام کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں کا خیال رکھا جاتا تو ایسا خوشگوار ماحول اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا جس میں ہر ایک کو سکون واطمینان کی زندگی نصیب ہوتی، گویا دنیا نمونۂ جنت بن جاتی۔ فسق وفجور اور معاصی وجرائم کی کثرت اور روز افزوں ترقی میں مردوزن کے آزادانہ اختلاط کا بہت حد تک دخل ہے۔ اسلام نے واضح ہدایات کے ذریعہ فواحش ومنکرات اور بے حیائی تک پہنچانے والے تمام راستے حسنِ تدبیر سے مسدود کردیئے۔ بدکاری تک پہنچنے کے لیے سب سے پہلا قدم نگاہِ بد ہے، اسلام نے اولاً اس پر پابندی عائد کردی، ارشادِ خداوندی ہے:

’’قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ۔‘‘ (النور:۳۰)

’’ایمان والوں سے کہہ دیجئے! اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں۔‘‘

’’وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِھِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ وَلَایُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ إِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ ۔‘‘ (النور:۳۱)

''مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں، مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں۔''

اگر غضِ بصر پر عمل ہو تو اگلا قدم معصیت کی طرف نہیں اُٹھ سکتا، لیکن غضِ بصر کے باوجود ممکن تھا کہ بے حجابی کی صورت میں اس حکم پر عمل نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا:

''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ۔'' (الاحزاب:۵۹)

یعنی جب کسی ضرورت سے باہر نکلنا پڑے تو چادر سے سر اور چہرہ بھی چھپا لیا جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمان عورتیں، بدن اور چہرہ اس طرح چھپا کر نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لیے کھلی رہتی۔ آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ عورت گھر کی چہار دیواری سے بجز حجاب و پردہ کے قدم باہر نہ نکالے۔ اس کے بعد ممکن تھا کہ حجاب کی صورت میں عورت کے زیورات کی آواز اجنبی مرد کو معصیت کی طرف متوجہ کردے، اس کا سدِ باب اس طرح کیا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ۔'' (النور:۳۱)

''اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔''

الغرض عورت کی رفتار ایسی نہ ہو جس سے مخفی زیورات کی چھن چھن مریض القلب انسان کو بے قابو بنادے، بایں ہمہ امکان تھا کہ عورت حجاب میں نرم رفتار سے جا رہی ہے، لیکن اس کی دلکش آواز مرد کو متوجہ کرسکتی ہے، اس کا انسداد بھی اللہ نے فرمادیا، چنانچہ ارشاد ہے:

''فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔'' (الاحزاب:۳۲)

''تو تم (نامحرم مرد سے) بولنے میں (جبکہ ضرورتاً بولنا پڑے) نزاکت مت کرو (ایسا نہ ہو) کہ ایک ایسا شخص جس کے دل میں خرابی ہو کچھ طمع کرنے لگے اور تم قاعدۂ (عفت) کے موافق بات کیا کرو۔''

اس آیت میں اگرچہ خطاب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہے، لیکن اُمت کی عورتیں بطریقِ اَولیٰ اس ہدایت کی محتاج ہیں۔ سابقہ آیات پر غور کرنے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عورت کی عصمت اور عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے کس قدر اہتمام فرمایا، ہر وہ راستہ جس سے عصمت دری کا اندیشہ ہوسکتا تھا، اس کو بند کرکے آخر میں ارشاد فرمایا:

''وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى إِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيْلًا۔'' (بنی اسرائیل:۳۲)

''اور تم زنا کے قریب ہی نہ جاؤ، وہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔''

ان واضح ہدایت کے باوجود اگر کوئی بندہ ہواء وہوس کی تمام پابندیوں کو توڑتا ہوا بدکاری کا ارتکاب کرے تو اس کے لیے اسلام نے عبرت ناک سزا مقرر فرمائی، چنانچہ فرمایا:

''اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ۔'' (النور:۲)

''زانیہ اور زانی (عورت ومرد) ہر ایک کو سو دُرّے مارو۔''؟؟؟

اسلام نے عورت کو دُرِّ مکنون قرار دیا جو ہاتھ لگانے سے میلا ہو جاتا ہے اور ظاہر کرنے سے تو اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے، اسلام نے عورت کے لیے جو صفات بیان کی ہیں، مندرجہ ذیل آیات پر غور کرنے سے ان کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے، جنت کی عورتوں (حورِعین) کے متعلق ارشاد فرمایا:

''فِیْھِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْھُنَّ إِنْسٌ قَبْلَھُمْ وَلَاجَانٌّ۔'' (الرحمٰن:۵۶)

''ان میں نیچی نگاہ والیاں ہوں گی کہ ان لوگوں سے پہلے نہ تو کسی آدمی نے ان پر تصرف کیا اور نہ کسی جن نے۔''

جنت میں معصیت تو کجا تصورِ معصیت بھی نہیں آسکتا تو جب حورِعین جنت میں بجز اپنے شوہروں کے اور کسی کی طرف نگاہ نہیں اُٹھائیں گی، بلکہ ان کی نگاہ صرف اپنے شوہروں تک محدود ہوگی تو اس دنیا میں جہاں قدم قدم پر دعوتِ گناہ موجود ہو کس طرح غیروں کو دیکھنے کی اجازت ہوگی؟ اس سے معلوم ہوا کہ اس عالمِ شر وفساد میں عورت کے لیے نگاہ پست رکھنا لازم ہے۔ دوسری صفت حورِعین کی یہ بیان فرمائی کہ اس سے قبل کسی جن وانس نے ان کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ عورت ایسی عفیفہ پاک دامن ہو کہ شوہر کے علاوہ کسی کا دستِ معصیت اس کے جسم پر نہ لگا ہو، حور کے متعلق ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا: ''حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِیْ الْخِیَامِ۔''..... ''حورِعین خیموں میں محفوظ ہوں گی۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی خوبی گھر میں رہنے سے ہے۔''

جب جنت جیسے پاکیزہ ماحول میں حوریں اپنے محلات میں ہی رہیں گی، سیر وتفریح نہیں کریں گی، تو کیا یہاں پر عورت کے لیے گھر کی چہار دیواری سے بے حجاب نکل کر بازاروں اور سڑکوں پر دعوتِ نظارہ دینے کی اجازت ہوگی؟! الحاصل ان آیاتِ کریمہ سے عورت کی تین صفات معلوم ہوئیں:

۱......نگاہ پست رکھے، ۲......عفیفہ پاک دامن ہو، ۳......زینتِ خانہ ہو، سڑکوں اور بازاروں میں نہ گھومے اور شیطان کو تانک کا موقع نہ دے۔

اسلام نے جب عورت کو گھر میں رہنے کی تاکید کی تو اس کے لیے معمولاتِ خانہ بھی بتا دیئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَاتَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْأُوْلٰی وَأَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَأٰتِیْنَ

الزَّکٰوۃَ وَأَطِعۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ۔‘‘ (الاحزاب:۳۳)

’’اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نمازوں کی پابندی کرو اور زکوٰۃ ادا کیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو۔‘‘

اسلام سے پہلے عورتیں بے پردہ پھرتیں اور اپنے بدن اور لباس کی زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں، اس بد اخلاقی اور بے حیائی کو مقدس اسلام کب برداشت کرسکتا ہے؟! اس نے عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا۔ آیتِ مذکورہ کا حکم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں چونکہ زیادہ تاکید کے لیے تھا، اس لیے خطاب ان کو کیا گیا، ورنہ تمام عورتیں اس حکم میں داخل ہیں، اس کے بعد ارشاد فرمایا:

’’وَاذۡکُرۡنَ مَا یُتۡلٰی فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالۡحِکۡمَۃِ۔‘‘ (الاحزاب:۳۴)

’’اور تم ان آیات کو اور اس علم کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔‘‘

یعنی گھروں کو تلاوتِ کلام پاک اور حدیثِ نبوی کے ذکر سے آباد رکھیں۔ سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ ہدایات دی جارہی ہیں، اگر ان پر عورت عمل کرے تو گھر اللہ کی رحمت سے معمور ہوگا اور شوہر کو حقیقی سکونِ قلب میسر آئے گا۔

اسلام نے عورت کے تستُّر اور حجاب کے متعلق جو مسائل بیان فرمائے، ان سے بھی یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ اس عالم کا سکون عورت کو یاقوت و مرجان کی طرح پردہ میں رکھنے سے ہے۔

مسئلہ:۱...... حج جیسی مقدس ترین عبادت میں محرم مرد کے لیے سر اور چہرہ کھلا رکھنا ضروری قرار دیا گیا اور طواف میں رمل کا حکم بھی موجود ہے، لیکن عورت کے لیے نہ کوئی مستقل لباسِ احرام تجویز کیا گیا، نہ سر کھولنے کی اجازت دی اور نہ رمل کرنے کا حکم دیا، تاکہ عورت کے تستُّر میں فرق نہ آنے پائے۔

مسئلہ:۲...... نماز میں نیت کرتے وقت مرد کانوں تک ہاتھ اُٹھاتا ہے، لیکن عورت صرف کندھے تک ہاتھ اُٹھاتی ہے اور سجدہ کی حالت میں مرد کے لیے تمام اعضاء کو ایک دوسرے سے جدا رکھنا ضروری ہے، لیکن عورت کے لیے حکم یہ ہے کہ اس طرح زمین کے ساتھ مل جائے کہ جسم کا کوئی حصہ کھلنے نہ پائے۔

جب عبادات میں عورت کے جسم کو اس قدر مستور رکھنے کی تاکید ہے تو غیر عبادات میں پردہ کا اہتمام کرنا اور اعضاء کو نہ کھلنے دینا کس قدر ضروری ہوگا۔

مسئلہ:۳...... عورت کی میت کو قبر میں اُتارتے وقت بجز محارم کے اور کسی مرد کو وہاں پر کھڑے ہوکر دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ مرنے کے بعد عورت کی لاش کو اس قدر پردہ میں رکھا گیا کہ اجنبی مرد کی نگاہ سے محفوظ رہے، تو زندگی میں عورت کے جسم کو چھپانے اور اغیار کی نظروں سے بچانے کی کس قدر اہمیت ہوگی۔

مکاتیب علامہ محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ

...بنام ...مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

(بارہویں قسط)

﴿ مکتوب:......۲۰ ﴾

جناب علامۂ مہربان وکریم خصال، مولانا، استاذِ جلیل سید محمد یوسف بنوری **حفظهُ الله ورعاه ووفقهُ لكل مافيه رضاه ونفع بعلومه المسلمين** (اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے، ہر اس عمل کی توفیق عنایت فرمائے جس میں اس کی رضا ہو، اور آپ کے علوم سے مسلمانوں کو مستفید فرمائے)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام! بتاریخ ۲۲/ذوالحجہ کو آپ کا والا نامہ اور "**لب اللُّباب فيما يقوله الترمذي: وفي الباب**"[(۱)] کا نفیس حصہ موصول ہوا، اس توفیق اور عمدگی پر میں نے اللہ سبحانہ کا شکرادا کیا، میں اس ذات سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کے مبارک ہاتھوں شرح ترمذی کے ساتھ اس انوکھی تالیف کو بھی اسی عظیم الفوائد اسلوب پر مکمل فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے نیکوکار اساتذہ اور عظیم آثار کے حامل سلف کا بہترین جانشین بننے کے لیے منتخب فرمالیا ہے۔ حدیث وفقہ کی خدمت کے حوالے سے ہمیں آپ سے بڑی توقعات ہیں کہ اللہ جل جلالہٗ کے حکم سے آپ اپنے مفید آثار کے ذریعے مذہبِ (حنفی) کے دلائل کے اظہار اور ہر مقصود کی تحقیق کے پہلو سے ہر نوع کے خلا کو پُر کریں گے، اور آپ کی حکمت سے اپنے (مسلمان) بھائیوں کے باہمی اتفاق پر جمع ہونے کی توقع ہے، باہمی اتفاق سے حق کی تائید کو قوت ملتی ہے۔

میری نگاہ میں توحیدِ وجود وتوحیدِ شہود اور فلاسفہ ومتکلمین اور متاخرین حشویہ کے مسالک کے جمع وتطبیق کی کوشش کرنے والوں کی مساعی‘ تناقضات واضداد کو جمع کرنے کے پسِ منظر میں ہے، ابراہیم

کورانی [۲] بھی اپنی مختلف گروہوں کی اصطلاحات کی جامع -جن کے قابلِ فہم معانی ہی نہیں- تالیفات میں اسی دلدل میں پھنسے ہیں، اگر چہ بعد میں اُنہیں ہوش آیا، تب ہوش مندی کا اُنہیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ولی دہلویؒ (شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ) بھی کورانی کے نظریات کے اثرات سے نہیں بچ پائے۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں صفائے قلب اور سلامتیِ فکر کو مشوش کر ڈالنے والے ہر نظریے سے اور اس قسم کے متناقضات کو جمع کرنے والے فلسفوں سے بچائے رکھے۔ اپنی ذات اور اپنے بھائیوں کے لیے اسی رُخ کا متمنی ہوں۔

امید ہے تمام احباب بخیر و عافیت ہوں گے۔ مولانا مفتی (مہدی حسن شاہ جہاں پوری) اور مولانا ابوالوفاء کے بعافیت اپنی علمی خدمات کی جانب لوٹنے کی خبر سے مسرت ہوئی، آپ سب اور اپنے لیے توفیق کا امیدوار ہوں۔

مولانا ظفر احمد تھانوی کی (''إعلاء السنن'' کی) حال میں چھپی گیارہویں جلد کے حصول میں کامیابی ہوا اور ارسال فرمادیں تو شکرگزار رہوں گا۔

مکرراُمید ہے کہ ''العون'' (عون المعبود) اور ''التحفة'' (تحفة الأحوذی) میں ہمارے اصحاب (فقہائے احناف) کے متعلق غیر منصفانہ اور بے دلیل کلام کی تردید کا اہتمام کریں گے۔

''لجنة إحياء المعارف النعمانية'' کے تحت ان کے یہاں کے نمائندے شیخ رضوان محمد رضوان [۳] کی نگرانی میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مناقب أبی حنيفة وأبی يوسف ومحمد بن الحسن'' [۴] کی چھپائی چار فارموں میں مکمل ہوگئی ہے۔ تعلیق و تحقیق میں، مَیں اور مولانا ابوالوفاء شریک رہے ہیں۔ معلوم نہیں استاذ ابوالوفاء تک اس کے نسخے پہنچنے میں تاخیر ہوگی یا نہیں؟! ان دنوں اسلامی ممالک اہم دور سے گزر رہے ہیں، ہم اللہ سبحانہٗ سے دعا گو ہیں کہ قائدین کے دلوں میں فلاح و کامرانی کی راہ ڈال دے۔

یکے بعد دیگرے ایسی چند دوائیں لینی پڑ رہی ہیں جنہوں نے مجھے (علمی) کام سے بٹھا رکھا ہے۔ تقدیر کے ان فیصلوں کے متعلق از راہِ کرم آپ کی دعاؤں کا متمنی ہوں۔ اللہ سبحانہٗ آپ کو خیر و عافیت کے ساتھ نیک اعمال کی توفیق بخشے۔

آپ کا بھائی

محمد زاہد کوثری

محرم سنہ ۱۳۶۷ھ

پس نوشت: امید ہے چھاپہ خانہ کی بنیاد ڈالنے کے معاملے کے متعلق مطلع کریں گے۔ (دیگر معزز احباب کی خدمت میں سلام)

حواشی

ا:...... مکتوب:۱۲ کے حاشیے میں گزر چکا کہ علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے سننِ ترمذی میں ''وفی الباب'' کے تحت اشارہ کردہ احادیث کی تخریج کا کام ''لب اللُّباب فیما یقوله الترمذي: وفي الباب'' کے نام سے شروع کرلیا تھا، پیشِ نظر مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کام کا ایک حصہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ارسال کیا تھا، بعد میں حضرت نے دیگر مختلف مشاغل کی بنا پر یہ کام اپنے شاگردِ خاص اور داماد مولانا حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کردیا تھا، اور مولانا کے لیے کام کا نیا منہج طے فرمایا، چنانچہ امام ترمذیؒ کی اشارہ کردہ روایات کے علاوہ دیگر مرفوع وموقوف روایات وآثار کے اضافے کا اسلوب طے ہوا۔ مولانا شہید نے اسی منہج کے مطابق ''کشف النقاب عما یقوله الترمذی: وفی الباب'' کے نام سے ''أبواب الصلاة'' کے ''باب ماجاء فی الإکثار من الرکوع والسجود'' تک پانچ جلدیں طبع کردی تھیں، مولانا اپنی حیاتِ مستعار کے آخری لمحات تک انتظام واہتمام کے ساتھ یہ بلند پایہ علمی خدمت بھی جاری رکھے ہوئے تھے، اور سننِ ترمذی کی جلد اول میں حصۂ عبادات کا اکثر کام کرچکے تھے، جو ان کی زندگی میں طبع نہ ہوسکا، اب کچھ عرصے سے اس باقی مسودے کی تحقیق وتخریج کے حوالے سے کام ہورہا ہے، ان شاء اللہ! جلد ہی ''کشف النقاب'' کی مزید جلدیں بھی منصۂ شہود پر آئیں گی۔

۲:...... ملا ابراہیم بن حسن کورانی کردی شافعی مہاجر مدنی: علامہ، محدث اور مسند۔ سنہ ۱۰۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰۱ھ میں وفات پائی۔

ملاحظہ کیجیے: ''سلک الدرر'' مرادی (ج:۱،ص:۵-۶) ''فهرس الفهارس'' کتانی (ج:۱،ص:۴۹۳-۴۹۴)

۳:...... شیخ رضوان محمد رضوان: سنہ ۱۳۱۳ھ میں اس جہانِ رنگ وبو میں آنکھ کھولی، تالیف وتحقیقِ کتب کے شیدائی تھے، مختلف سیاسی امور میں بھی سرگرم رہے اور مصر میں ''لجنة إحیاء المعارف النعمانیة'' کے نمائندے تھے، علامہ کوثریؒ اور ان کے درمیان خط وکتابت رہتی تھی، ڈاکٹر سعود سرحان کے مطابق ڈاکٹر محمد باذیب نے ان کے نام علامہ کوثری کا ایک خط انہیں دکھایا تھا، جس پر ۱۶ جمادی الثانیہ ۱۳۵۷ھ کی تاریخ درج تھی۔ علامہ کوثریؒ نے ان کی کتاب ''فهارس البخاری'' کے مقدمہ میں ان کے متعلق لکھا ہے: ''نہایت صابر وثابت قدم، اس دور میں حدیث وسنت کی خدمت کی جانب متوجہ... عالم، مہربان، طبعاً شریف، شیخ رضوان محمد رضوان...۔'' (مقدمات الکوثری، ص:۳۷۹)

مزید دیکھیے: ''مجلة الشهاب'' مصر، سالِ اول، شمارہ اول، یکم محرم ۱۳۶۷ھ/۱۴ نومبر ۱۹۴۷ء، ص:۱۰۳، اور ''مذکرات الدعوة والداعیة'' شیخ حسن بنا۔

۴:...... یہ کتاب تین مختصر حصوں میں مطبوع ہے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایک جزء میں تینوں ائمہ کے حالاتِ زندگی تحریر کیے تھے، علامہ کوثری اور مولانا ابوالوفاء رحمہما اللہ نے انہیں یکجا کرکے اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ مذکور نام سے شائع کیے ہیں۔

(جاری ہے)

مروجہ اسلامی بینک اور ڈیجیٹل تصویر کی حرمت اور حضرت شیخ مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا کردار!

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
نگران شعبہ تخصصِ فقہِ اسلامی، واستاذ جامعہ

یہ مضمون ماہ نامہ ''الفاروق'' کی خصوصی اشاعت کے لیے مرسلہ عنوان پر لکھا گیا تھا۔ ادارہ ''الفاروق'' کی اجازت سے ماہ نامہ ''بینات'' میں شامل کیا جا رہا ہے، فجزاھم اللّٰہ خیراً۔ (راقم الحروف)

شیخ المشائخ، استاذ الاساتذہ، سرخیلِ علماء حق، پاسبانِ مسلکِ دیوبند، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے فکری و عملی جانشین، حق گوئی و بے باکی کی نادر مثال، عزم و استقلال کے اعلیٰ نشان، حزم و احتیاط کے کوہِ گراں، خودارادیت کی پہچان، قوتِ ارادی کی چٹان، علم کے بحرِ مواج، درس کے سیلِ رواں، قافلۂ اہلِ حق کے حدی خواں، وفاق المدارس کے نگہبان، افکارِ سلف کے ترجمان، تمسّک بالدین اور تصلُّب فی الحق کے آسمان، حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللّٰہ رحمۃً واسعةً مؤرخہ ۱۷؍ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء کو حیاتِ مستعار کی مقدر ساعتیں پوری فرما کر راہیِ آخرت ہو گئے اور اپنے پیچھے سینکڑوں سنہرے کارنامے اور ہزاروں یادیں چھوڑ گئے، جو تاقیامت آپؒ کا صدقہ جاریہ اور اہلِ حق کے لیے اُسوۂ حسنہ کے طور پر جاری اور زندہ رہیں گی، ان شاء اللہ!۔

بالخصوص آپ کی حیاتِ جاوداں کے آخری چند عشرے ایسے تابناک ہیں کہ اس عرصے میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر اور اکابر اپنی آخرت سدھار گئے تھے، مثلاً: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہم اللہ جیسے جبال العلم تھے، ان اکابر کی رحلت کے بعد قافلۂ اہلِ حق' علماء دیوبند کی سرپرستی، رہنمائی اور نگہبانی کی منقسم ذمہ داریاں آپ کی شخصیت میں یکجا ہو چکی تھیں۔ دفاعِ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے جن جن محاذوں پر اکابر اجتماعی یا انفرادی کردار چھوڑ گئے تھے، ان کی ساری ذمہ داریاں حضرت شیخ کے عزم و استقلال کے سپرد ہو گئیں تھیں۔

وفاق المدارس کی نگہبانی ہو یا مدارس کی حریتِ فکر و عمل کی ترجمانی، احقاقِ حق اور ابطالِ

باطل کا فریضہ ہو یا مسلکِ دیوبند کی فکری اِکائیوں کا تحفُّظ وشیرازہ بندی، سلف بیزاری کی روک تھام ہو یا جدیدیت واباحیت کے سامنے بند باندھنے کی حمیت وجرأت، ان سارے میدانوں میں حضرت شیخ نے اکابر علماء دیوبند کے انفرادی اور اجتماعی کردار کو ایک ''جماعت'' اور ''اُمت'' بن کر نبھایا اور الحمد للہ! خوب خوب نبھایا، ایک جماعت نہیں، کئی جماعتوں کے کردار کو اکیلے نبھانے والی اس ہستی کے مختلف گوشہائے زندگی پر مختلف اہلِ علم اور حضرت کے عقیدت کیش اپنے اپنے فرائض سے سبکدوش ہوتے رہیں گے۔ میں اپنی علمی بے بضاعتی اور اظہار مافی الضمیر کے قصور کے پیشگی اعتراف واعتذار کے ساتھ آپ کی زندگی کے ایک گوشے کی ایک جھلک بطورِ نمونہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا، یہ وہ گوشہ ہے جہاں اہلِ علم کا علم خاموش تھا، اہلِ قلم کے قلم بھی بے حس وحرکت تھے، دینی حمیت مروت تلے دبی جارہی تھی، علماء دیوبند کی حق گوئی کا تسلسل خطروں سے دوچار تھا، دینی تصلُّب کی شناخت گرد آلود ہوتی جارہی تھی، جدیدیت واباحیّت' دینی لبادہ اوڑھے چارسو پھیلے جارہی تھی، روایت وقدامت کو فرسودگی قرار دیا جارہا تھا اور فکر وعمل کی بے راہ روی کو عصری تقاضا کہہ کر رواج دیا جارہا تھا، ایسے ماحول میں اکابر علماء دیوبند کی اس آخری نشانی نے اہلِ علم کو متوجہ کیا، ان کی سرپرستی فرمائی اور نام نہاد اسلامی بینکوں کے غیر شرعی معاملات اور ڈیجیٹل تصویر کا فقہی حکم واضح کرنے کا حکم دیا اور ان اُمور کے بھیانک نتائج کا جائزہ لینے کے لیے پہلے کراچی پھر ملکی سطح پر اہلِ علم اور اربابِ فتویٰ کی مختلف فقہی مجالس کروائیں اور خود تمام مجالس کی سرپرستی فرمائی۔ میں ان مجلسوں کے حوالے سے حضرت کے کردار کے چند گوشوں سے نقاب کشائی کی کوشش کروں گا۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ روایتی بینکنگ کی اسلام کاری اور جدید ذرائع ابلاغ میں منظر بندی کا عمل اور اس کے فنی طریقے تقریباً نصف صدی سے علمی حلقوں میں زیرِ بحث چلے آرہے ہیں، اس بابت بعض علماء عرب کی تحقیقات وتدقیقات اور ہمارے اکابر کے تأثرات ورجحانات بھی تقریباً محفوظ ومرتب ہیں، اہلِ علم ان سے بخوبی واقف ہیں۔

۱۹۹۰ء تک بینکوں کی اسلام کاری اور جدید آلات کے ذریعہ منظر بندی اور تصویر کشی سے متعلق ہمارے اکابر اہلِ علم اور اربابِ فتویٰ کا موقف انتہائی واضح اور دوٹوک رہا ہے کہ شروع سے ۱۹۹۰ء تک بینکوں کی اسلام کاری اور آلات کی تبدیلی کی وجہ سے تصویر کشی کے عمل کے جواز کی جو جو سرگرمیاں سرکاری یا نجی طور پر مروج ومتعارف کرائی گئی ہیں، ان میں فقہی احکام اور شرعی تقاضے مکمل طور پر ملحوظ نہیں رکھے گئے تھے، اس لیے اکابر اہلِ فتویٰ نے ان کوششوں سے کبھی اتفاق نہیں کیا، بلکہ بلاتأمل اپنے احتیاطی ردِ عمل سے عوام الناس کو آگاہ فرمادیا تھا، مگر یہی کوشش جب ۱۹۹۰ء کے بعد ملک کے بعض معتبر، متدین اور معروف اہلِ فتویٰ نے نجی طور پر شروع فرمائی اور اس کے لیے مختلف اوقات میں مختلف مجالس

بھی منعقد ہوئیں، یہ ایسے اہلِ علم تھے کہ جن کے فتاویٰ پر عوام وخواص کا اعتماد چلا آرہا تھا، اس لیے ان اہل علم کی کوششوں اور محنتوں سے متعلق دیگر اہلِ علم اور عوام الناس اعتماد کرتے ہوئے انتظار کرنے لگے کہ شاید کوئی حقیقی تبدیلی رونما ہو اور ہمارے ان اکابر کو اپنے نیک مقاصد میں ایسی کامیابی ملے، جس کا ثمر پوری پاکستانی قوم کو نصیب ہو، اور اہل علم بھی مسلم قوم کے سامنے ایک بڑے فریضہ کی انجام دہی میں سرخرو ہوں۔ اس انتظار انتظار میں رفتہ رفتہ اسلامی بینک کاری اپنی ابتدائی عبوری وضعی حالت میں فروغ پانے لگی اور پھر ۱۱/ ۹ کے حادثے کے بعد میڈیائی وار کے مقابلے کے لیے اسلامی چینلز کے اجراء کے تقاضے سامنے آنے لگے، پھر اس ضمن میں ڈیجیٹل تصویر کے فنی اور تیکنیکی امور کی وجہ سے اس کا تصویر ہونا اور نہ ہونا زیرِ بحث آ گیا اور اہلِ علم کی دو رائے سامنے لائی گئی۔ ایک رائے ڈیجیٹل تصویر کو تصویر کہنے والوں کی اور دوسری رائے ڈیجیٹل تصویر کو ''تصویر'' کہتے ہوئے تصویر نہ ماننے والے علماء کرام کی تھی۔

اب اہلِ علم جہاں بھی جائیں وہاں یہ سوال ضرور اُٹھتا تھا کہ مروجہ اسلامی بینک اور ڈیجیٹل تصویر کا کیا حکم ہے؟ ہر دارالافتاء میں اس قسم کے سوالات بکثرت آنا شروع ہوگئے تھے۔ عوام بار بار اپنی پریشانیاں لے کر آتے تھے کہ دونوں قسم کے بینک عملاً ایک ہی کام کر رہے ہیں، ان کی کارکردگی میں ''خفیہ شرعی فرق'' ہمیں دکھایا جائے، اس سوال پر ہر دارالافتاء کے اہلِ فتویٰ مستفتی سے زیادہ پریشان ہوجاتے تھے، بعض تو معلومات نہ ہونے کی وجہ سے اور بعض مجوزین حضرات کے احترام واحتشام کی وجہ سے، ان کی رائے کے خلاف رائے دینے کی ہمت نہیں کرپا رہے تھے، اور جب کہ اسلامی بینکوں کی حمایت کرنے میں فقہی اعتبار سے شرح صدر بھی نہیں ہوتا تھا۔ بعض اہلِ فتویٰ ایسے مستفتی کو مجوزین کی طرف محول کر دیتے تھے، مگر ایک کے بعد کئی اور آجاتے، گومگو کی اس کیفیت سے نکلنے کے لیے کراچی کی سطح پر مجوزین حضرات کے ساتھ ان کے بعض نمائندوں کی وساطت سے غالباً ۲۰۰۷ء کے اواخر میں کچھ مجالس بھی ہوئیں، جنہیں تعارفی مجالس کا عنوان دیا گیا تھا اور اشکالات وجوابات کے ذریعہ کسی نتیجے تک رسائی پھر بھی نہیں ہوسکی تھی۔

ان تعارفی مجالس میں دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے نائب رئیس دارالافتاء حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے چند رفقاء کے ہمراہ بنفسِ نفیس شریک ہوئے تھے۔ اسلامی بینک کاری کی اس تعارفی مجلس کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اس کے بعد حضرت مفتی صاحب شہید نور اللہ مرقدہٗ نے مروجہ اسلامی بینک کاری کے فقہی پہلوؤں کا ازسرِنو بغور جائزہ لیا اور رفقاء دارالافتاء کے ساتھ مشاورتی سلسلوں کے بعد مروجہ اسلامی بینک کاری کے غیر اسلامی ہونے کا واضح فتویٰ دارالافتاء بنوری ٹاؤن سے بلاتأمل جاری فرمانا شروع کر دیا۔ بنوری ٹاؤن کے حلقوں میں اور منسلک لوگوں میں یہ رائے پہنچنا شروع ہوچکی تھی، مگر اس رائے کے

پر چار کے لیے جوازی فتویٰ جیسا کوئی طریقہ زیرِ عمل نہیں آ سکا تھا، اس لیے یہ رائے معمولی رفتار سے ہی عام ہو رہی تھی۔ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا، یہاں تک کہ ۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۵/ مئی ۲۰۰۸ء کو جامعہ کے ششماہی امتحانات کے دوران حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بلوایا اور مسرت آمیز انداز میں فرمایا کہ: حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کا فون آیا تھا، ان کا ارشاد ہے کہ اسلامی بینک کاری اور اسلامی چینل وغیرہ کے حوالے سے مشاورت کرنی ہے، آپ فلاں وقت باب الرحمت مسجد دفتر ختم نبوت پرانی نمائش کراچی تشریف لے آئیں۔ حضرت مفتی صاحب نے راقم اثیم کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے فرمایا، چنانچہ ہم مقررہ وقت پر وہاں پہنچے اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہم سے پہلے وہاں تشریف فرما تھے، دیگر مدعو اہل علم بھی تقریباً حضرت کی تشریف آوری کے بعد ہی حاضر ہوتے رہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے بالمشافہہ پہلی ملاقات تھی، مگر اس پہلی ملاقات نے عملی زندگی کے کئی اصولوں کا خاموش سبق دے دیا، جن کی تفصیل میں جانے سے شاید میری گزارشات اپنے عنوان سے دور ہوتی چلی جائیں گی، اس لیے اس مجلس کے ایجنڈے سے متعلق حضرت کے ارشاد اپنے ذاکرہ سے صفحۂ قرطاس پر اُتارنے کی کوشش کرتا ہوں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ: مروجہ اسلامی بینک کاری وغیرہ کے حوالے سے عوام وخواص میں زبردست قسم کی تشویش پائی جا رہی ہے۔ ہم اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک جہاں بھی جاتے ہیں، لوگ ہم سے سوال کرتے ہیں کہ اسلامی بینک کاری کے نام سے جو معاملات چل رہے ہیں، یہ صحیح ہیں یا غلط ہیں؟ عوام وخواص کی تشویش کی بنیادی وجہ سودی اور غیر سودی بینکوں کے معاملات کی یکسانیت ہے۔ دوسری طرف بعض اہلِ علم کا جوازی فتویٰ بھی موجود ہے۔ اس صورت حال میں ہم آپ کی رائے اور تحقیق جاننا چاہتے ہیں، چنانچہ وہاں پر موجود اہلِ علم نے اپنی اپنی آراء کا اظہار فرمایا اور بنیادی تفصیلی گفتگو حضرت مفتی عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی، جن سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ خوب مطمئن اور محظوظ ہوئے، اور ارشاد فرمایا کہ: ہمیں اس سلسلے میں اپنی رائے کا باضابطہ تحریری شکل میں اظہار کر دینا چاہیے، تاکہ عوام وخواص میں ہماری خاموشی کی وجہ سے پائی جانے والی تشویش کا ازالہ ہو اور ایک فقہی مسئلہ کی واقعی حقیقت عوام کے سامنے آ جائے، اس لیے ہماری مشاورت کا سلسلہ آگے بڑھنا چاہیے اور اس کے لیے اگلا اجلاس ہمارے ہاں جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی میں ہوگا۔ یہ اجلاس قریبی تاریخ اور وقت میں منعقد ہوا، جس میں شہر کے متعدد اہلِ فتویٰ کو مدعو فرمایا گیا تھا، جن میں شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا زرولی خان صاحب، حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ، حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ، حضرت مولانا منظور احمد مینگل، حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ شیخ، حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب وغیرہ شامل تھے۔ اس اجلاس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے

فرمایا کہ: گزشتہ مجلس میں ہم نے آپ حضرات کی آراء سنیں اور سب نے اپنی اپنی تحقیقات بیان فرمائی تھیں، میری رائے میں مفتی عبدالمجید صاحبؒ نے بینک کاری کے موضوع پر وقیع گفتگو فرمائی تھی، ان کی فنی مناسبت اور فقہی ممارست کی بنا پر اسلامی بینک کاری کے حوالے سے اجتماعی فتویٰ کا متن تیار کرنے کی بنیادی ذمہ داری اُنہیں سونپی جائے، دیگر اہلِ علم حسبِ موقع معاونت ومشاورت میں شریک رہیں۔ حضرتؒ کے اصرار اور اہلِ مجلس کے اتفاق سے ایسا ہی ہوا اور متفقہ فتویٰ کی ترتیب حضرت مفتی عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہوئی، اس کے بعد ابتدائی خاکہ جب تیار ہوا تو فتویٰ کا انداز اور تحقیق کا اسلوب وغیرہ جانچنے کے لیے حضرت نے ابتدائی دستی مسودے سمیت حاضر ہونے کا حکم فرمایا، جسے لے کر حسبِ ارشاد حاضر ہوئے، حضرتؒ نے مسودے کی خواندگی فرمائی اور ہر اعتبار سے اطمینان کا اظہار فرمایا اور مفوضہ کام جلد از جلد پورا کرنے کے لیے تاکید فرمائی۔ مسودے کی ترتیب کے دوران حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ مستقل رابطے میں رہے اور بدستور سرپرستی فرماتے رہے اور ساری کارگزاری سے آگاہی حاصل فرماتے رہے۔ حضرتؒ کی بدستور سرپرستی، دلچسپی اور توجہ وتصرف ہی کا نتیجہ تھا کہ یہ مسودہ چند ماہ کے اندر اندر سینکڑوں صفحات میں تیار ہوکر اہلِ علم کی تصحیح وتصویب کے لیے تیار ہوگیا، جس پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وقیع تأثرات بھی رقم فرمائے، جس میں سے درج بالا مضمون حضرت کے الفاظ میں ملاحظہ فرماتے جائیں:

''اسلامی بینک کاری کے حوالے سے پاکستان اور باہر دوسرے ممالک میں تشویش تھی۔ علماء، اصحابِ فتویٰ، تجارت پیشہ حضرات اور عوام سب ہی ہم سے پوچھتے تھے کہ یہ کیسی اسلامی بینک کاری ہے؟ ہمیں تو سودی کاروبار کرنے والی بینکوں میں اور مروجہ اسلامی بینکوں میں کوئی فرق نظر نہیں آیا؟ ادھر ہمارے ملک کے مختلف دارالافتاء بھی باوجود یہ کہ اس اسلامی بینک کاری کے خلافِ شرع ہونے کا فتویٰ اپنی اپنی جگہ دے رہے تھے، لیکن اجتماعی فتویٰ نہ ہونے کی وجہ سے تشویش موجود تھی، احقر نے علامہ بنوری ٹاؤن کے اصحابِ فتویٰ، جامعہ فاروقیہ کراچی کے مفتیوں، جناب مولانا مفتی حبیب اللہ شیخ، مولانا مفتی احمد ممتاز جامعہ خلفاء راشدین کے مفتی (خلیفہ مجاز حضرت مولانا حکیم محمد اختر مدظلہٗ) سے درخواست کی کہ وہ اس مسئلے کی تحقیق کریں۔

چنانچہ ان تمام اصحابِ فتویٰ کی مشاورت کا اہتمام کیا گیا اور اس سلسلے میں ان حضرات کی مختلف مجلسیں بھی ہوئیں۔ ان حضرات نے اپنا اپنا موقف اپنے دلائل، مشاہدات اور معلومات کی روشنی میں پیش کیا اور حسبِ ضرورت بعض ماہرینِ معاشیات سے مجلس ومشاورت کا سلسلہ بھی قائم رہا۔ اس مشاورتی سلسلے میں یہ بات بھی بطورِ خاص محسوس کی گئی کہ مروجہ اسلامی بینک کاری کے خلافِ شروع ہونے کا موقف اگرچہ ملک کے جمہور

اہلِ فتویٰ کا ہے، مگر اس میں انفرادی فتووں اور تحریروں کے بجائے جامع اور مفصل تحریر بھی سامنے آنا ضروری ہے، چنانچہ یہ ذمہ داری حسبِ مشورہ حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب کی نگرانی میں ان کے رفقاء کو سونپی گئی۔ ماشاء اللہ! ان حضرات نے خوب محنت سے یہ تحریر مرتب کی، جس پر احقر حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری اور ان کے رفقاء و معاونین کا بالخصوص اور دوسرے اصحابِ فتویٰ کا بالعموم مشکور ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو حسنِ قبول عطا فرمائے اور ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے اور دوامِ عافیت اور تمامِ عافیت کا ذریعہ بنائے، آمین ثم آمین۔''

(مروجہ اسلامی بینک کاری، تجزیاتی مطالعہ، ص: ۱۸-۱۹، ط: مکتبہ بینات جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی)

جب مسودہ تیار ہو گیا تو اب اس کے لیے ملکی سطح پر اہلِ علم اور اربابِ فتویٰ کا مجوزہ اجتماع منعقد کرانا تھا، اس کے لیے مشاورتی اجلاس ہوا، جو ایک بار پھر دفتر ختم نبوت پرانی نمائش چورنگی میں منعقد ہوا، جس میں مذکورہ بالا علماء کرام مدعو تھے۔ اس اجلاس میں متفقہ فتویٰ کے اظہار و اعلان کے لیے اجتماع کا انعقاد اور اس کا لائحہ عمل ہی بنیادی ایجنڈا تھا، مگر ہماری طرف سے یہاں ایک یہ نکتہ اُٹھایا گیا کہ بلا شبہ ہمارے پیشِ نظر محض اپنی رائے کا اظہار ہے، اس میں کسی کا مقابلہ یا معارضہ ہرگز نہیں ہے، اس پر ہمیں کسی سند کی ضرورت بھی نہیں، مگر ہماری رائے یہ ہے کہ ہم اپنی اس فقہی رائے کے اظہار سے قبل مجوزین حضرات سے ایک مجلس کر لیں اور اُنہیں باور کرا دیں کہ ہم مروجہ اسلامی بینک کاری کے حوالے سے اپنی فقہی رائے کا اظہار کرنے جا رہے ہیں، اس حوالے سے آپ حضرات کی رائے چونکہ پہلے سے مشہور ہو چکی ہے، آپ حضرات یا کوئی اور ہمارے اس فقہی اظہار کو معارضہ و مجادلہ نہ سمجھے، ہماری طرف سے یہ اصرار کیا گیا کہ بہر حال ہمیں یہ باور کرانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مجوزین حضرات بھی ہمارے اپنے ہی لوگ ہیں اور قابلِ احترام ہیں، وہ ہمارے فقہی اختلاف کو اپنی بے احترامی پر محمول نہ فرمائیں۔ ہماری یہ رائے ہمارے شرکاءِ مجلس نے جتنے غور سے سماعت فرمائی تھی' اس سے زیادہ سختی کے ساتھ رَد بھی فرما دی گئی اور سب حضرات نے یہی فرمایا کہ: جب وہ حضرات جواز کا فتویٰ جاری فرما رہے تھے، اس وقت انہوں نے کسی سے مشاورت کی زحمت نہیں فرمائی، انہوں نے اپنی رائے کے اظہار میں کسی کی اطلاع و مشاورت کو ضروری نہیں سمجھا تو ہمیں اس غیر ضروری التزام کی کیا ضرورت ہے؟ ہر دارالافتاء ان کی طرح اپنی رائے کے اظہار میں آزاد ہے، مجوزین سے مشاورت و اطلاع کی کوئی ضرورت اخلاقاً اور اصولاً نہیں ہے۔

حضرتؒ نے بھی شرکاءِ مجلس کی اس رائے سے اتفاق فرمایا اور اپنے بزرگانہ مقام پر جا کر یہاں تک فرمایا کہ: بھئی! (حضرت کے بیان کو اپنی تعبیر کے ساتھ عرض کر رہا ہوں، اگر چہ حضرت کے

الفاظ مجھے اچھی طرح یاد ہیں، وہ کلمات نقل کرنا میرے لیے شاید مناسب نہ ہوں، ان کے ارشاد کا مفہوم یہ تھا) ان لوگوں کے ساتھ مجلس اور مشاورت کا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ اُلٹا نقصان ہوگا، اس لیے ان کو اپنے ارادے سے آگاہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، مگر ہم نے مکرر اصرار کے بعد اس ارادہ کی تکمیل کے لیے حضرتؒ اور شرکاءِ مجلس کو آمادہ کرلیا اور حضرتؒ بھی اپنی عادتِ حسنہ کے تحت اجتماعی رائے کے موافق ہوگئے اور مزید کرم نوازی فرمائی کہ اچھا پھر مجوزین حضرات کے بڑوں سے میرا تعلق اور رابطہ زیادہ ہے، پھر ان سے ملاقات کا وقت، تاریخ اور آپ حضرات کو اطلاع دینے کی خدمت میں اپنے ذمہ لے لیتا ہوں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اگلے دن حضرت کا فون آیا کہ میری دارالعلوم والے حضرات سے بات ہوچکی ہے، میں نے ان حضرات کے سامنے اپنا ارادۂ ملاقات رکھا تو انہوں نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت! (مولانا سلیم اللہ خان صاحب) آپ تشریف نہ لائیں، ہم آپ کے پاس حاضر ہوجاتے ہیں، اس لیے مجوزین حضرات کے بڑوں کے ساتھ مجوزہ ملاقات اب دارالعلوم کی بجائے ہمارے ہاں جامعہ فاروقیہ میں ہوگی، آپ حضرات فلاں دن عصر کی نماز ہمارے ہاں پڑھ لیں، اور عصر کے بعد مجوزہ مجلس ہوگی، لیکن جس دن ملاقات ہونی تھی، اسی دن صبح حضرتؒ کا فون آیا کہ آپ حضرات عصر سے ذرا پہلے آجائیں، کچھ مشاورت بھی کرنی ہے، حسبِ ارشاد جب قبل از عصر حاضر ہوئے تو حضرت مولانا زرولی خان صاحب، حضرت مفتی احمد ممتاز صاحب، حضرت مفتی حبیب اللہ شیخ صاحب اور جامعہ فاروقیہ کے کچھ حضرات بھی تشریف فرما تھے۔ حضرتؒ نے شرکاءِ مجلس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ: آپ حضرات کو قدرے پہلے زحمت اس لیے دی ہے کہ آج عصر کے بعد مجھے ملتان جانے کے لیے ایئرپورٹ جانا ہے اور مجھے اس کی یاددہانی آج ہی کرائی گئی ہے، جبکہ میرے ذہن میں روانگی کا وقت آئندہ کل تھا، اس لیے میں نے مجوزہ مجلس کو مختصر وقت میں نمٹانے کے لیے یہ تدبیر سوچی ہے کہ ہم اپنا مدعا تحریری شکل میں مختصراً حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی خدمت میں پیش کردیں، اس کے بعد میں اجازت لے لوں گا اور آپ حضرات چائے وغیرہ نوش فرماکر تشریف لے جائیں گے، اس کے بعد حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دستِ مبارک سے تحریرفرمودہ ایک ڈیڑھ ورقی تحریر نکالی اور پڑھنا چاہا ہی تھا کہ اپنی دلکش مسکراہٹ سے محظوظ فرماتے ہوئے گویا ہوئے کہ اس تحریر کا طرزِ تخاطب شاید آپ حضرات کو عجیب لگے، مگر بات یہ ہے کہ دارالعلوم والے حضرات سے میری پرانی بےتکلفی ہے، ان حضرات کا بچپن سے ہمارے گھروں میں آنا جانا رہا ہے، اس لیے میری اس گفتگو اور اس کے انداز کو عجیب محسوس فرمانے کی بجائے اسی پرانی بےتکلفی پر محمول فرمائیں، یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے۔ اس کے بعد حضرت نے وہ تحریر سامعین کو سنائی، اس کے بعد نمازِ عصر ادا کی اور حسبِ مشورہ حضرتؒ کے ہمراہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زیدمجدہم کے

ساتھ (۱۲/ ۶/ ۱۴۲۹ھ کو بعد نمازِ عصر) مجوزہ اطلاعی مجلس منعقد ہوئی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمانی زید مجدہم کو اپنے اتفاقی روانگی کا پروگرام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ہم جس مقصد کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہ رہے تھے' اس کا مدعا فقط اپنے (اوپر بیان کردہ) ارادے کی اطلاع تھی، اس اطلاع کے لیے میں نے یہ تحریر تیار کی ہے، جو آپ کی خدمت میں سنا کر اجازت چاہوں گا، اس کے بعد حضرت نے مندرجہ ذیل تحریر پڑھ کر سنائی:

(۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، وبعد

احقر کو علم وفضل کے اعتبار سے جناب سے کوئی نسبت نہیں، جب علم وفضل ہے ہی نہیں تو نسبت کیا ہوگی۔ البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان نصیب کیا ہے، دعا کرتا رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہ زندگی ایمان والی زندگی اور کلمہ والی موت پر ختم فرمائیں۔ آمین

(۱) اسلامی بینکاری کے حوالے سے تشویش واضطراب عام ہے۔ علماء، عوام، بینکنگ سے متعلق افراد، تاجر وغیرہ سب موجودہ اسلامی بینکاری کو اسلامی تعلیمات کے خلاف سمجھتے ہیں۔

(۲) جتنے معتبر ومعروف دار الافتاء ہیں سب میں اس مسئلے کے استفتاء آتے ہیں اور جواز وعدم جواز کے متعلق سوالات کیے جاتے ہیں۔

(۳) پاکستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی یہ اضطراب موجود ہے، وہ بھی گزارش کر رہے ہیں۔

(۴) اس صورت حال سے دوسروں کی نسبت جناب کو زیادہ سابقہ رہتا ہوگا، چونکہ آپ ہی پاکستان میں اس کے موجد ہیں۔

(۵) علم وفضل کے اعتبار سے آپ کا جو مقام ہے وہ محتاج بیان نہیں، لیکن عصمت حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے، دوسرا کوئی معصوم نہیں، اس کا امکان بہر حال موجود ہے کہ اسلامی بینکاری کا نظام جاری کرنے میں آپ سے غلطی ہوئی ہے۔ (۱)، (۲)، (۳) اس غلطی کے ارتکاب کے لیے واضح دلیل ہیں۔ اضطراب غلطی پر ہی ہوتا ہے اور وہ بھی ایسا اضطراب جس نے تمام طبقات کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ صحیح بات پر اس طرح کا اضطراب ہوتا ہی نہیں اور اگر کوئی معاند معترض ہوتا ہے تو اس کی وجہ عناد ہوتی ہے، جبکہ موجودہ صورت میں امت کے تمام طبقات اس اسلامی بینکاری پر تشویش واضطراب میں مبتلا ہیں، یہاں عناد کا سرے سے کوئی احتمال موجود نہیں ہے، ان کا اضطراب اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی پر مبنی ہے۔

(۶) ربا کا معاملہ انتہائی نازک اور سنگین معاملہ ہے، اس مسئلے کی وعیدوں سے آپ ہرگز بے خبر نہیں ہیں، اس میں احتیاط لازم اور واجب ہے۔

(۷) ربا میں کو شبہۃ الربا بھی حرام ہے اگر حقیقت ربا کو قبول نہیں کیا جاتا (۲) تو شبہۃ الربا سے تو انکار ممکن نہیں۔

(۸) ارباب فتویٰ کے بیانات اور دوسرے طبقات جو بینکنگ کے امور سے باخبر ہیں ان کے بیانات مسلسل اخبارات اور رسائل میں چھپتے رہتے ہیں اور اسلامی بینکاری کو اسلام کے خلاف قرار دیتے ہیں اب دنیا میں بھی مشتہر کرتے ہیں یقیناً یہ تمام بیانات آپ حضرات کے علم میں آتے ہونگے۔ ضروری تھا کہ آپ ان حضرات کو مطمئن کرتے اور ان کی طرح اپنے جوابات شائع کرتے اور نہیں تو ارباب فتویٰ جو آپ ہی کے حلقے کے حضرات ہیں ان سے رابطہ کرکے ان کی تسلی کا انتظام کیا جاتا جو نہیں کیا گیا اگر کسی کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے تو اس کے نتیجے میں اختلاف ختم نہیں ہوتا اعتراضات بدستور موجود ہیں اور تشویش و اضطراب برقرار ہے۔

(۹) یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بینکنگ کے حوالے سے آپ اپنے آپ کو اعلم الناس سمجھتے ہیں اور دوسروں کی معلومات کو ناقص فرماتے ہیں مجھے تو آپ کی طرف سے اس قول کی نسبت درست معلوم نہیں ہوتی اگر آپ کا یہ دعویٰ نہیں ہے تو پھر وہی سوال ہوگا کہ آپ نے اشکال کرنے والوں کو مطمئن کیوں نہیں کیا تاکہ اضطراب ختم ہوتا اور اگر آپ واقعی اپنے کو اعلم اور دوسروں کو ناقص العلم سمجھتے ہیں پھر کیا کہیں آپ نے منصب بیان مشکوٰۃ نے والی بات ہوگی۔

(۱۰) سورۃ جاثیہ میں ہے افرأیت من اتخذ الٰہہ ھواہ واضلہ اللہ علی علم وختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشاوۃ فمن یہدیہ من بعد اللہ افلا تذکرون۔

(۱۱) ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس اضطراب و تشویش کو دور کرنے کے لئے علماء اور ارباب فتویٰ سے وسیع مشاورت کے بعد ایک فتویٰ اسلامی بینکاری کے عدم جواز کا مشترکہ طور پر جاری کیا جائے اور اس کو پورے ملک میں تشہیر کا اہتمام کیا جائے۔

ہم ہرگز تصادم کے خواہاں نہیں ہم تو دل و جان سے آپ کے خیرخواہ ہیں اور آپ کا احترام کرتے ہیں۔

~~لیکن~~ امت کو ربا کی لعنت سے بچانے کے لئے اپنا شرعی فرض ادا کرنا چاہئے

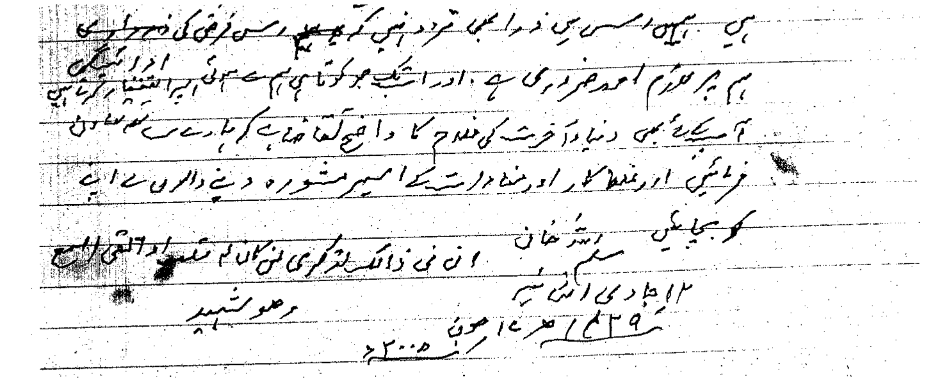
کو بچائیں

رشید خان

ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القی السمع

تحریر سنانے کے بعد حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ: آپ اس تحریر پر اپنے ہاں جا کر غور فرما لیجیے گا۔ حضرت شیخ نے اپنی روانگی کی اچانک تبدیلی کی اطلاع کا عذر دہراتے ہوئے شرکاء مجلس سے اجازت لی اور اُٹھنے لگے تو حضرت عثمانی زید مجدہم نے فرمایا کہ: حضرت! میں کچھ عرض کروں؟ تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: یہ مجلس بحث و مباحثہ کی تو ہے نہیں، ہمارا مدعا صرف اتنا تھا جو آپ کے سامنے رکھا گیا ہے۔ اس پر آپ اپنے ہاں جا کر غور فرما لیجیے گا۔ اگر پھر بھی کوئی بات کرنی ہو تو یہ حضرات (شرکاء مجلس) بیٹھے ہوئے ہیں، آپ لوگ آپس میں بات چیت بھی کر لیں اور چائے وغیرہ بھی نوش فرمائیں، چنانچہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے اور حضرت عثمانی زید مجدہم نے جو کچھ اس موقع پر ارشاد فرمانا تھا وہ شرکاء مجلس کے سامنے پیش فرمایا اور میری یادداشت کے مطابق ان کے ارشاد کا حاصل یہ تھا کہ ''رِبا کو جب اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے تو سود سے بچنا اور متبادل کو اختیار کرنا ہماری ذمہ داری ہے، سود کی حرمت کی طرح اس کا متبادل بھی ممکن ہے، ورنہ ''تکلیف مالا یطاق'' لازم آئے گی، ہم اسی متبادل کی کوشش کر رہے ہیں، نیز اس تحریر کا ظاہری تأثر یہ ہے کہ موجودہ اسلامی بینکوں کا موجد اور بانی میں ہوں، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع پر مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ نے کام شروع کیا تھا، جس میں حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری، حضرت مفتی رشید احمد اور حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہم اللہ جیسے اکابر شامل تھے، ہم نے ان بزرگوں کی فکر و عمل کو آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے۔'' الغرض اس مجلس میں حضرت عثمانی زید مجدہم کی پوری بات سنی گئی تھی اور وہ اپنا مدعا بیان فرما گئے تھے، البتہ شرکاء مجلس کی طرف سے ان کی تقریر پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں فرمایا گیا تھا، جس کی بنیادی وجہ وہی ہے کہ یہ مباحثہ کی نہیں، بلکہ جذبۂ خیر سگالی اور اظہارِ اپنائیت کے تحت اپنے اس فتویٰ کے اعلان کی اطلاع کے لیے زحمت دی گئی تھی، جس کا اظہار اگلے کچھ عرصے میں کرنا تھا۔

یہاں بعض غیر محتاط کرم فرماؤں نے شعوری یا لاشعوری طور پر اس مجلس کی حکایت اس انداز

سے فرمائی کہ گویا یہ مجلس جذبۂ خیر سگالی اور اظہارِ اپنائیت کی بجائے خدانخواستہ حضرت عثمانی زیدمجدہم کی توہین وتنقیص کے لیے منعقد کی گئی تھی اور اس ''خبرِ بد'' کو آناً فاناً دور دور تک پھیلا دیا گیا تھا، ان مخلصین نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ اگر واقعۃً یہ گستاخی ہے اور ایسا ہوا ہے تو پھر یہ گستاخی چندلوگوں کے سامنے ہوئی تھی، اسے ہر خاص وعام مجلس تک پہنچانا ادب واحترام کے کونسے تقاضے پورا کرنے کے لیے ناگزیر تھا اور یہ عقیدت کی کون سی قسم تھی؟ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کو گالی پڑے اور کوئی گالی پڑنے والے کی ہمدردی میں اس گالی کا پرچار کرنے لگ جائے۔ بہرحال یہ سب کچھ بہت ہی نامناسب عمل تھا، ہمارے خیال میں تو یہ عقیدت وہمدردی کے نام پر گستاخی کا ارتکاب بنتا ہے۔

خیر!...... یہ خبر جب عام ہوگئی تو اگلے ایک دوروز میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ملتان سے واپس تشریف لائے تو اُنہیں مذکورہ مجلس کی روئیداد کو اُلٹ پھیر کے ساتھ پھیلانے کا علم ہو چکا تھا اور حضرت عثمانی زیدمجدہم کی طرف سے ایک ''پرشکوہ'' خط بھی موصول ہو چکا تھا، چنانچہ انہوں نے مجلس کے ایجنڈے جیسے نیک جذبات کے ساتھ اظہارِ اپنائیت اور حضرت عثمانی زیدمجدہم اور ان کے رفقاء کی دلجوئی کے لیے دارالعلوم جانے کا فیصلہ فرمایا اور دارالعلوم تشریف لے گئے۔ دارالعلوم جانے کا کیا مقصد تھا اور وہاں ان اکابر کے ساتھ کیا باتیں ہوئیں، یہاں ایک بار پھر ''نارسا راوی'' نے ''رنگ میں بھنگ ڈالنے'' کی کوشش کی۔

میری معلومات کے مطابق یہاں ''راوی'' یا کسی ''حاشیہ بردار'' نے دو بے احتیاطیاں کیں، جس کی وجہ سے بزرگوں کی یہ محبت بھری محفل' خیر سگالی کی ملاقات، اپنائیت کے اظہار کی مجلس، اسی طرح کے بدمزہ نتائج کا باعث ثابت ہوئی، جس طرح مؤرخہ ۱۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۷/ جون ۲۰۰۵ء کو جامعہ فاروقیہ میں منعقد ہونے والی نیک ملاقات کو بدی بنایا اور بتایا گیا تھا۔

''راوی'' نے ایک بے احتیاطی یہ فرمائی کہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم کے اکابر کی طرف سے جب اسٹیٹ بینک اور اسلامی بینکوں کے باہمی انتظامی واختیاراتی تعلق کی بابت بریفنگ دی گئی تو حضرت اس بات پر متعجب ہوئے کہ واقعۃً اسٹیٹ بینک نے اسلامی بینکوں کے لیے عام بینکوں سے جداگانہ ایسے قوانین بنا رکھے ہیں جن کی رو سے نہ صرف یہ کہ اسلامی بینک' اسٹیٹ بینک کے سودی احکامات کی تعمیل سے مستثنیٰ ہیں، بلکہ اسلامی بینکوں کو سودی معاملات کی بجائے آزادانہ تجارت کے ذریعہ نفع اندوزی کی اجازت بھی دے رکھی ہے۔

اس بات پر میں زیادہ جزم کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا، اس لیے کہ یہ بات ہم تک غیر مصدقہ اور غیر مطبوعہ تحریر کے ذریعہ پہنچی تھی جو کسی بزرگ نے دورانِ درس طلبہ کے استفسار کے جواب میں فرمائی تھی، وہ ادارے کے ترجمان رسالے میں طباعت کے لیے جاتے جاتے رُک گئی تھی۔ لیکن اتنی بات کہنے میں حرج شاید نہ ہو کہ اگر یہ بات بجا ہو تو اس بات کا وزن مسلم ہے اور اس پر حضرت

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا تعجب بھی بجا کہلا سکتا ہے، کیونکہ حضرتؒ کے زیرسرپرستی تیار ہونے والے متفقہ فتویٰ میں مروجہ اسلامی بینکوں کے غیراسلامی ہونے کی بنیادی وجوہ میں سے ایک وجہ اس بات کی حقیقت کے ساتھ ختم ہوجاتی ہے، کیونکہ متفقہ فتویٰ میں یہ کہا گیا تھا کہ کسی ملک میں کوئی بھی بینک' اسٹیٹ بینک کے وضعی قوانین کے التزام کے واضح اقرار کے بغیر قائم نہیں ہوسکتا اور اسٹیٹ بینک کے قوانین میں بینک ایک دوسرے کو یا اسٹیٹ بینک کو نفع بخش پروگرام کے تحت لین دین کے پابند ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اسٹیٹ بینک کے منافع بخش پروگراموں میں شرکت یا اس قانون کے تحت دیگر کنونشنل (روایتی) بینکوں کے ساتھ لین دین کے معاملات کو سود سے پاک قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس حوالے سے یہ بدیہی امر بھی ملحوظ رکھنے کا بتایا گیا تھا کہ اسٹیٹ بینک جیسے کل کی اصلاح کے بغیر اس کے ذیلی ادارے اور جزو کی اصلاح کا دعویٰ صحت کے معیارات کو نہیں پہنچ سکتا۔

بایں وجہ مروجہ اسلامی بینکوں کے لیے اسٹیٹ بینک کے جداگانہ استثنائی قوانین کی موجودگی پر اگر حضرت شیخ کی طرح کسی اور بزرگ اور طالب علم کو بھی تعجب ہو تو اس پر تعجب نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اسٹیٹ بینک اور اسلامی بینکوں کے مابین انتظامات واختیارات کی پالیسی کے بارے میں اکابر کی مجلس میں وہی بات ہوئی ہو، جس کو ہم نے اپنے تئیں واضح تعبیر کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے، تو پھر اس پالیسی کی حقیقت کو اتنا واضح ہونا چاہیے تھا جتنا خود بینکوں کا اپنا وجود ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ اس دوٹوک پالیسی کا اظہار و بیان مجوزین حضرات کی طرف سے کسی مستند ذریعہ سے سامنے نہیں آسکا، بلکہ اس حقیقت تک رسائی کی ہر طالب علمانہ جستجو ہر در سے خالی ہاتھ لوٹتی رہی۔

قصہ یہ ہوا کہ اس پالیسی کی زبانی گردش اور اس پر مستزاد ہمارے بعض اکابر کا یہ ''گلہ'' کہ عدم جواز کا فتویٰ دینے والے حضرات کو اسلامی بینکوں سے معلومات کی فراہمی کی شکایت پر ہم سے رجوع کرلینا چاہیے تھا، ہم صرف ایک فون کال کے فاصلے پر تھے، اپنے ان گلہ مند اکابر کے اس گِلے کو گلے سے لگاتے ہوئے شرفِ ملاقات کا بہانہ بناکر مانعین میں سے حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب مدظلہم اپنے چند رفقاء کے ہمراہ دارالعلوم کراچی تشریف لے گئے، وہاں آمد و رفت کی تفصیلات تو وہ خود یا ان کے کوئی شریکِ سعادت ہی بتا سکتے ہیں، مجھے اس ملاقات کی برکات و ثمرات میں سے جو حصہ ملا' میں اس کی طرف آتا ہوں۔ مذکورہ ملاقات کی برکت سے حضرت مفتی احمد ممتاز صاحب مدظلہم کو ''میزان بینک'' کے ہیڈ آفس میں چند ذمہ داروں سے ملاقات کا شرف حاصل ہونے کی ترتیب بن گئی۔ حضرت مفتی احمد ممتاز صاحب مدظلہم نے اس منافع بخش ملاقات میں ہمیں بھی شریک فرمایا اور دارالافتاء سے مولانا مفتی شعیب عالم صاحب مدظلہٗ اور راقم اثیم کا شریکِ ملاقات ہونا طے پایا۔ یہ ملاقات میل جول، تعارف وانس کے لیے بہت اچھی ثابت ہوئی، اس ملاقات کے میزبانوں میں

''منصوری'' صاحب اور ایک ہماری جامعہ کے فاضل مولانا بلال قاضی صاحب سلمہٗ کی ملنساری کے لیے بطورِ خاص ممنون رہے، مگر افسوس! کہ اس ملاقات کے مزعومہ ''نفع'' سے ہم محروم ہی رہے۔

اس ملاقات کا بنیادی مقصد صرف اتنا تھا کہ مروجہ اسلامی بینکوں کے لیے اسٹیٹ بینک نے جو جداگانہ قوانین بنائے ہیں، جن کی رو سے اسلامی بینک کسی بھی بینک یا ادارے کے ساتھ ہر قسم کے سودی لین دین سے مستثنیٰ رہیں گے اور یہ کہ اسلامی بینکوں کو سودی معاملات کے ذریعہ نفع اندوزی کی بجائے اسلامی تجارت کے ذریعہ نفع اندوزی کی اجازت دی گئی ہے۔ اس مقصد کو پانے کے لیے کئی گھنٹوں پر مشتمل بات چیت ہوتی رہی اور وہ حضرات مطلوبہ دستاویزات دینے کے لیے کئی شرائط بار بار دہراتے رہے، جن میں ایک ارشاد یہ تھا کہ:

''یہ دستاویزات یہیں پر دیکھی جاسکتی ہیں، باہر نہیں لے جاسکتے۔ اگر باہر لے جانے کی صورت بن پڑے تو پھر ان دستاویزات کے مندرجات کا حوالہ نہیں دے سکتے۔ اگر حوالہ دینا چاہیں تو اس سے قبل ہم سے مشاورت اور مذاکرہ کرلیا جائے۔''

ظاہر ہے کہ اس طرح کی شرائط سے ہماری امید افزا ملاقات کو مایوسی کا شکار ہی ہونا تھا، ملاقات کا دلچسپ آغاز بے رغبتی پر ختم ہونے جارہا تھا، تو لے دے کر بے رغبتی کے ساتھ ایک فارم نکال کر مطالعہ کے لیے ہمیں دے دیا گیا اور ہم نے مذکورہ شرائط کا پاس رکھتے ہوئے وہ لے لیا، جس کے مندرجات میں ہماری جستجو کا کوئی واضح جواب تو نہیں تھا، البتہ اس میں کچھ ''نفع'' کی باتیں بہرحال موجود تھیں، جن کا حاصل یہ تھا: اسٹیٹ بینک کی ریکوائرمنٹ ہے کہ ہر اسلامی بینک کا ایک شریعہ ایڈوائزر ہو اور اس ایڈوائزر کی ''کوالیفکیشن'' یہ ہوگی کہ اس کے عالمیہ نمبرات اتنے ہوں اور تخصص فی الافتاء کیا اور ''معتمد'' ادارے کی سفارش و اعتماد کا حامل ہو۔

اس صورت حال کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو اسلامی بینکوں کے لیے اسٹیٹ بینک کی جس پالیسی پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے استفہام تعجبی کو اسلامی بینکوں کی خرابی کے خاتمے کا ''اقرار'' قرار دیا گیا تھا، وہ حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ اس کی ذمہ داری کسی ''مروی عنہ بزرگ'' کی بجائے اس ''غیر محتاط راوی'' پر عائد ہوتی ہے، جس نے یہ ''بے پَر'' کی اُڑائی تھی۔

ہمارا یہ سوال اب بھی باقی ہے۔ جو صاحبِ علم اور ماہرِ بینک کاری ہم پر کرم نوازی فرمائے، ہم اس کے ممنون ہوں گے۔ ہمارے علم کے مطابق تاحال اسٹیٹ بینک نے ایسی کوئی اسٹیٹ منٹ نہیں دی، بلکہ اس کے برعکس حال ہی میں بعض ذرائع ابلاغ کے مطابق اسٹیٹ بینک نے اپنے ایک سرکولر (۲ نومبر ۲۰۱۷ء کے سرکلر آئی۔ بی۔ ڈی۔ ایس۔ ڈی (۱۵) ۲۳۔۲۵۷) کے ذریعہ اسلامی بینکوں کو پابند بنایا ہے کہ وہ سودی بینکوں کو چھ سو ارب روپے سود پر دیں، جسے غیر حقیقی/ مصنوعی کاروبار کے ذریعہ سودمند بنایا

جائے۔ نیز ’’تورق‘‘ بھی تین ماہ تک کرلیا جائے جو کاروبار کی مصنوعی کارروائی ہونے کی وجہ سے ایسا حرام ہے کہ جسے فقہ اکیڈمی جدہ نے بھی حرام قرار دیا ہے۔

ان احوال کے تناظر میں اسلامی بینکوں کا اسٹیٹ بینک کی سودی پالیسیوں سے آزاد اور مستثنیٰ ہونے کا دعویٰ محض ’’خوش فہمی‘‘، ’’خودفریبی‘‘ یا ’’دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے‘‘ کے مترادف ہے، پھر بھی اگر کوئی صاحبِ بصیرت مذکورہ استثناء کا ثبوت رکھتا ہو تو وہ ہماری لاعلمی کے ازالے میں ضرور مددگار رہنے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی وہاں کے اکابر کے ساتھ ملاقات کے حوالے سے ’’نارسا راوی‘‘ نے دوسری بے احتیاطی کرکے اپنائیت کے ماحول کو آلودہ کرنے کی جو غلطی فرمائی، وہ یہ تھی کہ مذکورہ ملاقات کو دلجوئی، ہمدردی اور آپس کے ادب واحترام کی بہترین شکل قرار دینے کی بجائے یہ تأثر عام کیا گیا کہ جامعہ فاروقیہ میں منعقد ہونے والی اطلاعی مجلس میں خدانخواستہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کی جو گستاخی ہوگئی تھی، اس پر حضرت شیخ معذرت ومعافی مانگنے آئے تھے، اس تأثر کو اُبھارنے میں کسی بزرگ کی اچھائی، برائی یا ہمدردی سے زیادہ یہ سوچ کارفرما معلوم ہوتی ہے کہ جامعہ فاروقیہ میں جس اقدام سے آگاہی کے لیے خیرسگالی کی اطلاعی مجلس منعقد کی گئی ہے، وہ غلط تھی اور اس مجلس کے اگلے عزائم غلط تھے، اس مجلس کے اگلے عزائم کا وزن ہلکا کرنے کے لیے بزرگوں کو مدِمقابل کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی، حالانکہ آنے والے فتوی کو قبول یا رد کرنا بینکوں سے وابستہ افراد کا آزادانہ حق تھا اور ہے، وہ حق تو ان سے کسی نے نہیں چھینا تھا اور اس حق کے اظہار کا ابھی تک موقع بھی نہیں آیا تھا، اس سے قبل اس طرح کی مہم چلانا اور اس کو بھی ایک دوسرے بزرگ کی عزت بے عزتی کے عنوان سے یہ انتہائی سنگین غلطی تھی، جس کے غلط کار کو اس وقت سے تاحال شاید اس کا احساس نہ ہو، مگر اس کا شدید احساس ہم نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی اس وقت سنا، جب اس ملاقات کے چند دنوں بعد حضرتؒ کے ہاں جانا ہوا تو حضرتؒ نے اس نامناسب روایت وحکایت پر شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمانے لگے کہ: اس دن کی ملاقات میں میرے سفرِ ملتان کی وجہ سے جلدی کو حضرت مولانا محمد تقی عثمانی نے شاید محسوس بھی فرمایا تھا، جس کا بذریعہ خط مجھے علم ہوا، جس کا مجھے بھی شدید قلق ہوا کہ ہم نے نیک جذبے کے تحت ملاقات طے کی کہ ہمارا فتوی کا اختلاف کہیں ہمارے درمیان غلط فہمیوں کا باعث نہ بنے اور ہمارا عزت واحترام کا تعلق متأثر نہ ہو، مگر یہاں ہمارے بے تکلفانہ رویے سے اگر انہیں رنج ہوا ہے تو ہم اس پر بھی ان کی دلجوئی کرلیں، ہم اس لیے دارالعلوم چلے گئے تھے۔ لیکن اب صورت حال ایسی بنادی گئی ہے کہ میرے وہاں جانے

کو بعض لوگوں نے یہ عنوان دیا کہ ''سلیم اللہ'' مولانا تقی عثمانی وغیرہ سے معافی مانگنے آیا تھا۔ بھئی! معافی تو زیادتی یا غلطی کی ہوتی ہے، غلط فہمی کا ازالہ ہوتا ہے، ہم نے بینکوں کے خلاف فتویٰ دے کر پھر از راہِ ہمدردی وخیر سگالی اس کی پیشگی اطلاع کر کے کونسی غلطی اور زیادتی کی تھی، جس پر ہم معافی مانگتے، معافی کی اس میں کیا بات ہے؟! کیا ''سلیم اللہ'' اس پر کسی سے معافی مانگے گا؟

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے خیرخواہانہ ومشفقانہ جذبات کو اس قدر ٹھیس پہنچانے کے پیچھے وہی نامناسب جذبہ کارفرما معلوم ہوتا ہے جو بینکوں سے متعلق مخالف فتویٰ کو غیر مؤثر بنانے کے لیے بزرگوں کے باہمی رشتۂ ادب واحترام کو ریشہ ریشہ کرنے سے نہیں شرماتا۔

ہم اس نامناسب حربے کو کسی ایک بزرگ کی عقیدت وہمدردی کے نام پر مذموم مقصد کی تکمیل اور باادب ماحول کی تخریب کے مترادف سمجھتے ہیں، مذکورہ دونوں ملاقاتوں کے نتائج بہت نامناسب بتائے گئے ہیں، جس پر ہمیں بھی شدید افسوس ہے، بلکہ اعترافِ قصور ہے کہ پہلی ملاقات کے پیچھے ہمارا بے حد اصرار شامل تھا۔ اگر ہم اس موقع پر دارالعلوم کے اکابر کے ساتھ اپنی عقیدت کو حضرت شیخؒ کی بصیرت کے سامنے نچھاور کردیتے تو کم از کم اب تک کی یہ نوبت تو نہ آتی، اور فقہی اختلاف کو ذاتی اختلاف بنا کر عدم جواز کے فتوی کو قبل از وقت ہلکا دکھانے والوں کے ابتدائی عزائم تو ناکام ہی رہتے۔ مگر ہمارا طفلانہ اصرار اور غیر ضروری اخلاص اس صورتِ حال کی بنیاد بنا، جس پر ہمیں افسوس ہے۔ ہم حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ہمیشہ کی طرح رفع درجات کی دعا کرتے ہیں اور دوسرے فریق کے بزرگوں سے معافی کے خواستگار ہیں۔ یہ صورتِ حال ہمارے لیے انتہائی تکلیف دہ رہی اور اب بھی اس تکلیف سے مکمل آزاد نہیں ہوسکے، گوکہ رفتہ رفتہ یہ حقیقت وا ہونے لگی ہے کہ مذکورہ تکلیف دہ صورت حال میں کئی خلافِ واقعہ امور بھی شامل فرمائے گئے ہیں، جن کا متعلقہ بزرگوں کی باہمی گفت وشنید کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ واضح قرائن بتاتے ہیں کہ یہ پروپیگنڈہ ایک قسم کی دفاعی مہم کا حصہ تھا، بینکوں سے وابستہ بعض حضرات نے اپنے بینک کاری سفر کے مخالفانہ فتوے کو قبل از وقت متنازع بنانے کے لیے اور اس فتوی کو محض مخالفت وعناد کا شاخسانہ قرار دینے کے لیے ''باہمی توہین وتوقیر'' کا مسئلہ بنا کر پیش کیا تھا۔

مگر الحمد للہ! پہاڑوں جیسا حوصلہ رکھنے والے سالارِ قافلہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے عزم واستقلال پر اس پروپیگنڈے کا کوئی اثر نہیں پڑا، بلکہ ان کی اس کرامت کا ظہور بھی ہوا، جسے اولِ وہلہ میں ہمارا طفلانہ اصرار سمجھنے سے قاصر تھا۔ حضرتؒ نے بڑے ہی حوصلہ اور اعتماد سے اس پروپیگنڈہ مہم کی اذیتوں کو سہا اور اپنے ہم نوا اہلِ علم کو اعتماد ووثوق کے ساتھ اپنی رائے کے اظہار کی تلقین وتاکید فرماتے رہے، اور متفقہ فتویٰ کے اعلان واظہار کے لیے ملکی سطح کا مشاورتی اجلاس طلب فرمایا۔ بیرونِ شہر سے تشریف لانے والے اہلِ فتویٰ کے طعام وقیام کے سارے انتظامات آپ کے

زیرِ اہتمام جامعہ فاروقیہ کراچی نے انجام دیئے۔ اجلاس سے ایک دن قبل متفقہ فتویٰ کا ابتدائی مسودہ مدعو حضرات کی خدمت میں پیش کیا گیا، جسے انہوں نے جامعہ فاروقیہ میں قیام کے دوران مطالعہ فرمایا اور اگلے دن ۲۸ / اگست ۲۰۰۸ء ملکی سطح کا یہ فقہی اجلاس حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے زیرِ صدارت منعقد ہوا اور اس اجلاس میں بعض شرکاء نے متفقہ فتویٰ سے متعلق اپنے بعض ملاحظات سے نوازا جو نوٹ کیے گئے اور فتویٰ کی حتمی ترتیب میں ان ملاحظات کو بھی مسودے کا حصہ بنایا گیا، اس اجلاس میں شرکاء کے دستخطوں کے ساتھ جو اعلامیہ جاری ہوا اس کا متن یہ تھا:

''گزشتہ چند سالوں سے اسلامی شرعی اصطلاحات کے حوالے سے رائج ہونے والی بینک کاری کے معاملات کا قرآن وسنت کی روشنی میں ایک عرصے سے جائزہ لیا جارہا تھا اور ان بینکوں کے کاغذات، فارم اور اُصولوں پر غور وخوض کے ساتھ ساتھ اکابر فقہاء کی تحریروں سے بھی استفادہ کیا جاتا رہا تھا۔

بالآخر اس سلسلے میں حتمی فیصلے کے لیے ملک کے چاروں صوبوں کے اہلِ فتویٰ علمائے کرام کا ایک اجلاس مورخہ ۲۸ / اگست ۲۰۰۸ء مطابق ۲۵ / شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ بروز جمعرات حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم کی زیرِ صدارت جامعہ فاروقیہ کراچی میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں شریک مفتیانِ عظام نے متفقہ طور پر یہ فتویٰ دیا کہ اسلام کی طرف منسوب مروّجہ بینک کاری قطعی غیر شرعی اور غیر اسلامی ہے۔ لہٰذا ان بینکوں کے ساتھ اسلامی یا شرعی سمجھ کر جو معاملات کیے جاتے ہیں، وہ ناجائز اور حرام ہیں اور ان کا حکم دیگر سودی بینکوں کی طرح ہے۔

اس اجلاس کے شرکاء نے اس بات پر بھی اتفاق کا اظہار کیا کہ جدیدیت کی رو میں بہہ کر تصویر کی حرمت کا حکم نہیں بدلا جاسکتا ہے۔ جان دار کی تصویر کی جتنی اور جو شکلیں اب تک متعارف ہوئی ہیں، عرف وعادت، لغت اور شرعی نصوص کی رو سے وہ سب تصویر کے حکم میں ہیں۔ آلاتِ صنعت وحرفت کے بدلنے سے تصویر کے شرعی احکام نہیں بدلتے۔ اس لیے جو حکم شریعت میں تصویر کا منقول ہے، تصویر کی تمام شکلیں اس حکم کے تحت داخل ہیں۔ اس لیے تصویر کی اباحت اور جواز کا راستہ اختیار کرتے ہوئے کسی قسم کے ٹی وی چینل کا اِجرا یا علمائے کرام کا ٹی وی پر آنا اور اُسے تبلیغ دین کی ضرورت کہنا اور سمجھنا شریعت کی خلاف ورزی ہے اور جدیدیت واباحیت کی ناجائز پیروی ہے۔

مسلمانوں پر واجب اور لازم ہے کہ دیگر حرام اور خلافِ شرع اُمور کی طرح ان سے بھی بچنے کا بھرپور اہتمام فرمائیں۔'' (مروجہ اسلامی بینک کاری، ص: ۳۴۵)

دستخط کرنے والے مفتیانِ عظام

حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب، جامعہ فاروقیہ، کراچی
مفتی حمید اللہ جان صاحب، جامعہ اشرفیہ لاہور، پنجاب
مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، کراچی
مفتی محمد انعام الحق صاحب، دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی
مولانا مفتی عبد المجید دین پوری صاحب، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی
مولانا مفتی غلام قادر صاحب، دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، سرحد
مفتی محمد مدنی صاحب، معہد الخلیل الاسلامی، بہادر آباد، کراچی
مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب، جامعہ فاروقیہ، کراچی
مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب، دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی
مفتی شعیب عالم صاحب، دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی
مولانا مفتی عبد القیوم دین پوری صاحب، دار الافتاء عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، کراچی
مفتی احمد خان صاحب، جامعہ عمر کوٹ، سندھ
مفتی قاضی سلیم اللہ صاحب، دار الہدیٰ ٹھیڑی، خیر پور، سندھ
مولانا مفتی احتشام الحق آسیا آبادی، جامعہ رشیدیہ آسیا آباد، تربت مکران، بلوچستان
مفتی امداد اللہ صاحب، جامعہ دھورو، نارو، سندھ
مولانا مفتی روزی خان صاحب، دار الافتاء ربانیہ کوئٹہ، بلوچستان
مفتی عاصم عبد اللہ صاحب، جامعہ حمادیہ، کراچی
مفتی سمیع اللہ صاحب، جامعہ فاروقیہ، کراچی
مولانا کلیم اللہ صاحب، جامعہ دھورو، نارو، سندھ
مفتی امان اللہ صاحب، جامعہ خلفاء راشدینؓ، کراچی
مفتی عبد الغفار صاحب، جامعہ اشرفیہ، سکھر، سندھ
مولانا مفتی حامد حسن صاحب، دار العلوم کبیر والا، پنجاب
مولانا مفتی عبد اللہ صاحب، جامعہ خیر المدارس ملتان، پنجاب
مفتی حبیب اللہ شیخ صاحب، جامعہ اسلامیہ کلفٹن، کراچی
مفتی احمد خان صاحب، جامعہ فاروقیہ، کراچی
مفتی نذیر احمد شاہ صاحب، جامعہ فاروق اعظم، فیصل آباد
مفتی سعید اللہ صاحب، جامعہ عربیہ تعلیم الاسلام، کوئٹہ
مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب، جامعہ خلفائے راشدینؓ، کراچی
مولانا گل حسن بولانی صاحب، جامعہ رحیمیہ سرکی روڈ کوئٹہ، بلوچستان
مولانا مفتی زر ولی خان صاحب، جامعہ احسن العلوم گلشن اقبال، کراچی
مولانا مفتی سعد الدین صاحب، جامعہ حلیمیہ، لکی مروت، سرحد
مفتی عبد السلام چاٹگامی صاحب، جامعہ معین الاسلام، ہاٹہزاری، بنگلہ دیش

حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب، جامعہ فاروقیہ کراچی

مفتی حمید اللہ جان صاحب، جامعہ اشرفیہ لاہور

مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب، مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی

مفتی محمد انعام الحق صاحب، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مفتی محمد عبدالمجید دین پوری صاحب، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مفتی غلام قادر صاحب، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مفتی محمد مدنی صاحب، معہد الخلیل الاسلامی بہادر آباد کراچی

مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب، جامعہ فاروقیہ کراچی

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مفتی شعیب عالم صاحب، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مفتی عبدالقیوم دین پوری صاحب، دارالافتاء مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی

مفتی احمد خان صاحب، جامعہ عمر کوٹ سندھ

مفتی قاضی سلیم اللہ صاحب، دارالہدیٰ ٹیری خیر پور سندھ

مفتی احتشام الحق آسیا آبادی صاحب، جامعہ رشیدیہ آسیا آباد تربت مکران بلوچستان

مفتی امداد اللہ صاحب، جامعہ ہوبہ نارہ سندھ

مفتی روزی خان صاحب، دارالافتاء ربانیہ کوئٹہ بلوچستان

مفتی عاصم عبداللہ صاحب، جامعہ حمادیہ کراچی

مفتی سمیع اللہ صاحب، جامعہ فاروقیہ کراچی

مولانا کلیم اللہ صاحب، جامعہ ہوبہ نارہ سندھ

مفتی امان اللہ صاحب، جامعہ خلفاء راشدین کراچی

مفتی عبدالغفار صاحب، جامعہ اشرفیہ سکھر سندھ

مفتی حامد حسن صاحب، دارالعلوم کبیر والا پنجاب

مفتی عبداللہ صاحب، جامعہ خیر المدارس ملتان

مفتی حبیب اللہ شیخ صاحب، جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی

مفتی احمد خان صاحب، جامعہ فاروقیہ کراچی

مفتی نذیر احمد شاہ صاحب، جامعہ فاروق اعظم فیصل آباد

مفتی سعید اللہ صاحب، جامعہ عربیہ تعلیم الاسلام کوئٹہ

مفتی احمد ممتاز صاحب، جامعہ خلفاء راشدین کراچی

مفتی گل حسن بولانی صاحب، جامعہ حسینیہ سرکی روڈ کوئٹہ

مفتی زر ولی خان صاحب، جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال

مفتی سعد الدین صاحب، جامعہ علیمیہ دودہ پیر ز سرحد

مفتی عبدالسلام چاٹگامی صاحب، جامعہ معین الاسلام ہاٹہزاری بنگلہ دیش

نوٹ: ۔اس متفقہ فتویٰ کی تائید مفتی عبدالسلام چاٹگامی صاحب، حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب، مفتی عیسیٰ صاحب، ڈاکٹر عبدالواحد صاحب اور مولانا عبدالغنی صاحب مدظلہم نے بھی فرمائی۔ اور دستخط کیے۔

(مروجہ اسلامی بینک کاری، ص: ۳۴۵-۳۴۶، ط: مکتبہ بینات، کراچی)

اس فتوے کے تین اُمور قابل لحاظ ہیں: ایک یہ کہ مروجہ اسلامی بینک قطعاً اسلامی یا غیرسودی نہیں ہیں۔ دوسرا یہ کہ تصویر سازی کی نئی صنعت وشکل (ڈیجیٹل تصویر) کو تصویر محرّم کے حکم سے خارج قرار دینا جدیدیت واباحیت کا شاخسانہ ہے۔ اسلامی ٹی وی چینل کے خواب کی تکمیل کے لیے تصویر کی حرمت بتانے والی نصوص کو نظر انداز کرنا کسی طور پر بھی درست نہیں ہے۔ تیسرا یہ کہ فتویٰ اور رائے کسی ایک ادارے یا چند افراد کا زاویۂ فکر اور نتیجۂ خیال نہیں، بلکہ یہ ملک بھر کے تمام نامی گرامی دارالافتاؤں سے وابستہ کثیر تعداد اہلِ فتویٰ کی رائے ہے، بلکہ اس رائے کو بنگلہ دیش کے سب سے بڑے دینی ادارے دارالعلوم ہاٹہزاری کے اہل فتویٰ کی تائید بھی حاصل ہے اور ان

حضرات نے ہمارے متفقہ فتویٰ سے اتفاق کا اظہار اپنے ہاں ملکی سطح کے مشاورتی اجتماعات کے بعد ہی فرمایا ہے، جبکہ جوازی فتویٰ سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم ''فتویٰ'' کے بیان سے آگے بڑھ کر بالواسطہ یا بلاواسطہ بینکوں کے معاملات میں شریک و دخیل بھی ہوچکے ہیں، اس کے لیے ''قانع اہل البیت'' کے شہادتی اُصول کے تحت ان کا فتویٰ علمی واصولی لحاظ سے قابلِ التفات نہیں تھا، مگر بینکوں کی تشہیری مہم کے لیے مختص فنڈز اور دیگر چیریٹی فنڈز کی مدد سے اس کی اشاعت علماء بنگلہ دیش کے بقول علمی فتنہ بنتی جارہی تھی، جس کی روک تھام محدود وسائل والے علماء کے لیے ناممکن تھی۔ بعض مجوزین اہلِ علم کے بارِ مروت تلے دبے جارہے تھے، ایسے ماحول میں صرف حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہی کی شخصیت تھی جس نے تمام ماحولیاتی رکاوٹوں سے بالاتر ہوکر اسلام کے نام پر سودی سیلاب کے سامنے بند باندھنے کا فریضہ انجام دیا اور اہل فتویٰ کو یہ حوصلہ دیا کہ وہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے سلسلے میں ''لایخافون فی اللّٰہ لومة لائم'' کی خاطر بے نیازی کا روایتی تسلسل برقرار رکھنے کا اعزاز پائیں۔ الحمدللہ! حضرت کی برکت سے علماءِ دیوبند ایک دینی معاملے میں اباحیت کے چھینٹوں اور مداہنت کی کدورتوں سے اپنا دامن بچانے میں سرخرو ہوئے، فللّٰہ الحمد۔

یہ فتویٰ کتنا مؤثر یا کتنا مفید ثابت ہوا، اس کے اثر وافادہ کا اندازہ بعض مجوزین حضرات کے سرپٹاتے رویوں سے ہوتا ہے، جس کی تفصیل چھوٹے بڑے کئی دفاتر کی متقاضی ہے۔ یہاں صرف ان حضرات کے تین طرح کے ردِعمل کی طرف اختصار کے ساتھ اشارات پر اکتفاء کروں گا:

۱:...... جب یہ فتویٰ آیا تو اس کی آمد سے پہلے اور فوراً بعد اس متفقہ فتویٰ کو ذاتیات، ذاتی رنجشوں اور بغض وعناد کا شاخسانہ قرار دینے کے لیے رنگا رنگ دروغ گوئیوں کا سہارا لیا گیا، جس کی معمولی جھلک اوپر بیان ہوچکی ہے۔

۲:...... اس فتوے کو مجوزین حضرات نے ان بزرگوں کی عزت اور بے عزتی کا مسئلہ باور کرانا شروع کردیا، جن بزرگوں کے نام اور کام پر یہ لوگ اپنا کام چلا رہے تھے، حالانکہ متفقہ فتویٰ کو مذکورہ بزرگوں سے اختلاف تو کہا جاسکتا ہے جو ہر صاحبِ علم کا حق ہے، ان کے خلاف مہم قرار دینا کسی طور پر درست اور سچ نہیں تھا، لیکن کیا کریں عصری تقاضوں کے سامنے ''سچ'' اہمیت نہ پاسکا اور اختلاف کو خلاف کہہ کر شدید پروپیگنڈہ فرمایا گیا۔

۳:...... متفقہ فتوی کو جوازی فتوی کی مخالفانہ مہم قرار دینے والوں کو کہیں سے خدائی خدمت گار کے طور پر اپنے مزاج کے مطابق متفقہ فتوی کے لیے مخالفانہ مہم کی ایک بے ساکھی میسر آئی، جس نے ملک کے مختلف نامی اور بے نامی اداروں کو شرفِ یاوری بخشا اور ایسے اداروں کی ہر نوع

خدمت سے وابستہ علماء کرام اور قراء عظام سے مروجہ بینکوں کے حق میں دستخط لیے، جس کی اہمیت وحیثیت وہ لوگ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔

ان امور کے تذکرے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ الحمدللہ! حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے نام پر روایتی سودی نظام کی ترویج کی روک تھام کے لیے جو مؤثر کام لیا، یہ ان امتیازی کارناموں میں سے ہے جس میں ان کے مقام کو کوئی نہیں پہنچ سکا اور نہ پہنچ سکتا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی اس دینی حمیت کا زبردست فائدہ یہ ہوا کہ مروجہ بینکوں کے حوالے سے مانعین کی خاموشی کو بینکوں کی تائید اور اپنے لیے باعثِ تشویش قرار دے رہے تھے' ان کی غلط فہمی اور تشویش کا ازالہ ہوگیا اور دوسری طرف وہ دین دار طبقہ جو مروجہ بینکوں کی ترویج وتائید کے لیے جوازی فتووں کی وجہ سے ان بینکوں سے سیونگ کا تعلق قائم کیے ہوئے تھا یا ایسا ارادہ تھا، وہ الحمدللہ! پیسے سے زیادہ اپنے ایمان اور اخروی حساب کے لیے فکرمند ہوگئے، جو عظیم کارِ خیر ہے۔ یہ کارِ خیر بھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی حسنات میں شمار ہوگا، ان شاء اللہ!

مگر اس فتوے کا جو دوسرا حصہ تھا جس میں تبلیغِ دین یا دفاعِ دین کے نام پر ٹی وی چینل کے اجراء کا مسئلہ تھا اور اس کے ضمن میں ڈیجیٹل تصویر کی حرمت واباحت کا مسئلہ بینکوں والے مسئلے کی طرح مؤثر ثابت نہیں ہوسکا، اس کی وجوہات بظاہر مندرجہ ذیل تھیں:

ا:...... تصویر سازی اور تصویر بینی کا عمل اتنا شائع وذائع ہو چکا ہے کہ یہ عمل' فقہی مسئلے کی بجائے طبعی یا نفسانی مسئلہ بن چکا ہے۔ ڈیجیٹل آلات: کیمرہ، موبائل اور کمپیوٹر وغیرہ کے عموم کی بنا پر تقریباً ہر مسلمان اس وبا سے دوچار ہو چکا ہے، جہاں دیکھیں، جسے دیکھیں اس عمل کا ابتلاء عام ہے۔ نجی محفل ہو یا عمومی مجلس وہاں کم ازکم موبائل فون کے ذریعہ تصاویر کا تبادلہ یا تصویر بینی اور تصویر سازی ہورہی ہوگی، اچھے خاصے متدین علماء اور طلباء دین ہمہ وقت اس عمل بد میں بلاوجہ مشغول دکھائی دیں گے، کوئی ملاقات ہو یا تقریب، اس عمل سے خالی نہیں ہوگی۔ تصویر سازی یا تصویر بینی کا عمل خورد ونوش کی طرح ہر مجلس کی خوراک بن چکا ہے۔ اس عمل کی حیثیت اب مشغلے اور فیشن کی بن چکی ہے۔ وہ عملِ بد جو طبیعت ونفسانیت کا تقاضا بن کر فیشن بن چکا ہے' اُسے ترک کرنا مشکل کام ثابت ہوا اور بعض ناجائز سمجھنے والے شرماشرمی کے باوجود اس گناہِ بے لذت سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے، اُنہیں اپنے طبعی ونفسانی تقاضے کی ڈھال کے طور پر جوازی فتوی جب علانیہ ملنے لگ گیا تو وہ تصویر کی حرمت کے فتوے کو خاطر میں کیسے لاتے؟! ایسے لوگوں کے لیے نفسِ امارہ کا مقابلہ کرنا آسان کام نہیں تھا، اس لیے وہ تصویر کی حرمت بتانے والے فتوی کو زیادہ اہمیت نہ دے

سکے۔ اس کی ایک بدترین مثال یہ بھی ہے کہ ہمارے بعض ایسے علماء جو نمازوں کے لیے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو تاحال ممنوع قرار دیتے ہیں ان میں سے بعض لوگ ٹی وی چینلوں کے ذریعہ تبلیغ دین فرمانے لگے ہیں اور تصویر کی بابت اجازت واباحت والے لوگوں کے فتووں کو ڈھال اور جواز بناکر پیش کرتے ہیں۔ ایسے ماحول میں ہم تصویر کی حرمت کیسے باور کراسکتے ہیں؟! اس لیے ہمیں اپنے فتوے کا دوسرا جزء غیرمؤثر معلوم ہوا۔

۲:...... تصویر کی حرمت سے متعلق ہمارے فتوے کے غیرمؤثر ثابت ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ماضی میں تصویر کے جواز اور عدم جواز کے حوالے سے ہمارے اکابر اور علماء مصر کے درمیان جو اختلاف رونما ہوا تھا' اس میں ہمارے اکابر نے علماء مصر کے مغالطوں کا زبردست جواب دیا تھا اور وہ مغالطات وہی تھے جو آج کل تصویرسازی کے نئے سسٹم کے دفاع اور جواز میں ہمارے معاصر پیش فرمارہے ہیں۔ سوء اتفاق کہ جن جن اکابر نے علماء مصر کے مغالطوں کے رد میں زوردار تحریریں لکھی تھیں، ہمارا مستدل ومستند بھی وہی تحریریں تھیں۔ ہم معاصر علماء کے جوازی فتووں کو علماء مصر کے علمی مغالطوں کی اُردو تعبیر قرار دے کر اپنے اکابر کی تحریروں کی روشنی میں رَد کررہے تھے۔ بدقسمتی سے ہوا یہ کہ جن اکابر کی زوردار تحریریں ہمارا مستدل ومستند تھیں ان اکابر کے بعض اصاغر اخلاف' اکابر کی تحریروں کے مقابلے میں مصری مغالطے لے کر میدانِ عمل میں آگئے اور عوام کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا کہ آلاتِ صنعت کی تبدیلی کے باوجود تصویر کی حرمت پر تحریریں لکھنے والے اکابر کے علمی ونسبی ورثاء کی بات زیادہ وزن رکھتی ہے یا ان اکابر کا محض حوالہ دینے والے علماء کی بات زیادہ وقعت رکھتی ہے؟ اس تذبذب میں وہ تصویر کی ممانعت والے فتوے کو اہمیت نہ دے سکے۔

۳:...... تصویر سے متعلق ہمارا فتویٰ اس لیے بھی معاشرے میں اثر ونفوذ سے خالی رہا کہ تصویر کا تصویر ہونا یہ عرف وعادت پر مبنی ہے، یہ بدیہی امر تھا جسے جوازی فتووں نے نظری اور فنی مسئلہ بنادیا، جس کی وجہ سے جدید دور کی تصویرسازی کو قدیم دور کی تصویرسازی کی حرمت کے تحت داخل کرنا مشکل باور کرایا گیا، جو علمی تقلید سے نکل کر عقلی تشکیک کا سامان بن گیا۔ ظاہر ہے کہ بے دینی کے دور میں عقل پرست طبقے کو علمی اُصول اور منصوص نقول کے ذریعہ قائل کرنا کافی دشوار کام ہے۔

اس بناپر اسلامی معاشرے میں تصویر کو فیشن کے طور پر قبول کرنا بدستور قائم رہا۔ اور جوازی فتووں کی بدولت کل تک تصویر کو گناہ سمجھ کر دیکھنے اور بتانے والے مسلمانوں کے دل سے احساسِ گناہ بھی رخصت ہوگیا اور اب تصویری عمل مباح الاصل مشغلے کے طور پر ہورہا ہے، سوچا جائے کہ اس کا گناہ یا وبال کس کے ذمہ ہوگا؟!

مگر اللہ کی شان دیکھیں کہ تصویر سازی وتصویر بینی کے اس سیلاب میں حضرت شیخ سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھ دیگر علمائے کرام مضبوط چٹان بن کر اپنے موقف پر قائم رہے اور بدی وبرائی کے شیوع وعموم کا جواز لے کر اپنا فریضۂ تبلیغ، ذمۂ تذکیر اور حقِ نصیحت ہر محاذ پر ادا فرماتے رہے۔ ہر مجلس میں اپنے قول وفعل سے تصویر کی حرمت اور اس کے جواز پر نکیر واضح انداز میں بیان فرماتے رہے۔ اپنے ادارے کے ترجمان رسالے میں بھی موقع بموقع جاندار مضامین شائع کرواتے رہے، اور دیگر رسائل وجرائد میں اس نوعیت کے مضامین بھی اپنے رسالے میں مکرر اشاعت کے طور پر شامل فرماتے رہے اور اس طرح کے مضامین اہتمام سے جمع بھی فرماتے رہے اور بعض مضامین جوازی فتوے کے علمی ذمہ داروں کی خدمت میں پیش بھی فرماتے رہتے تھے۔ زبانی کلامی نصیحت وتنبیہ تو ماشاء اللہ! آپ کا منفرد امتیاز تھا اور یہ امتیاز تادمِ آخر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا خاصہ رہا، بلکہ بعد از وفات بھی اس امتیاز کو حسنِ تربیت کے طور پر زندہ جاوید پایا۔

ہمارا ایک المیہ ہے، یہ وہی المیہ ہے جس نے زیرِ بحث مسئلے کو گونا گوں پیچیدگیوں کا نشانہ بنا رکھا ہے، وہ یہ کہ جو اکابر جس مسئلے میں جتنا تصلُّب دکھاتے ہیں، جس قدر دینی حمیت کا عملی نمونہ بنتے ہیں، ان کے پسماندگان اس تصلُّب وحمیت کے امتیاز کو برقرار رکھنے میں کامیاب نہیں ہو پاتے، مگر حضرت شیخ سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ نمایاں امتیاز بھی عطا فرما رکھا ہے کہ ان کی ذُریتِ طیبہ ان کے افکارِ صالحہ کی امین وترجمان بننے پر کمربستہ نظر آتی ہے۔ حضرتؒ کی روحانی ونسبی ذُریتِ طیبہ نے بینک اور تصویر کے بارے میں جو نظریہ وعمل حضرتؒ کی آنکھوں کے سامنے اپنائے رکھا، حضرتؒ کی آنکھیں بند ہونے کے بعد بھی اس پر سختی سے عمل پیرا رہے، اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ حضرتؒ کے جسدِ خاکی کی کوئی تصویر سامنے نہیں آسکی، بلکہ آپؒ کے جنازے کے اجتماع کو بھی تصویروں کی آلودگی سے بچانے کے لیے بار ہا اعلانات ہوتے رہے، اور شرکاء جنازہ کے سامنے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ طیبہ کا فتویٰ وعمل ابدی حیات کے لیے الوداعی سفر کا الوداعی پیغام بھی ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو حضرتؒ کے اس الوداعی پیغام پر ثابت قدمی نصیب فرمائے اور احقاقِ حق وابطالِ باطل کے لیے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے دینی تصلُّب اور اسلامی حمیت کا وافر حصہ عطا فرمائے اور ان کی ساری روحانی ونسبی ذریت کو ''خير خلف لخير سلف'' کا مصداق بنائے، آمین۔

فرحمہ اللّٰہ وإیانا رحمةً واسعةً وأعلی اللّٰہ درجاتہ فی الفردوس الأعلٰی

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا!

مفتی احسان الحق اخونزادہ
فاضل ومتخصص جامعہ، استاذ: مدرسہ اشرف العلوم، گلستان جوہر

برکۃ العصر، قطب الاقطاب، شیخ الحدیث، حضرت مولانا محمد زکریا قدس اللہ سرہٗ العزیز کی ذات سے کون ناواقف ہوگا۔ ان کی مایۂ ناز تصنیف ''فضائلِ اعمال'' دنیا کے چپے چپے میں پڑھی جاتی ہے، سنائی جاتی ہے اور اس کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہوچکے ہیں۔ یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص ہی کا نتیجہ ہے۔ موصوف کی اس کے علاوہ بہت سی کتب ہیں، خصوصاً ''أوجز المسالک''، ''بذل المجهود''، ''خصائلِ نبوی شرح شمائلِ ترمذی'' وغیرہ شروحِ حدیث میں نہایت اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔ اسی طرح ان کی تقریرِ بخاری جو مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپوری کی جمع کردہ ہے، بہت پرمغز شرح ہے۔ اساتذہ فرمایا کرتے ہیں کہ: ''تم کوئی شرح دیکھو یا نہ دیکھو، تقریرِ بخاری ضرور دیکھا کرو۔'' اور اکثر علماء اس تقریرِ بخاری کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اسی تقریرِ بخاری میں ''کتاب العلم'' میں حضرت قدس سرہٗ نے کہیں درس کے دوران علم، طلبِ علم اور طلبہ کے متعلق (اپنے یا منقول) فوائد بیان کیے، کہیں نصائح کیں، تو راقم نے حسبِ استطاعت کوشش کی کہ اُنہیں یک جا کردیا جائے، تاکہ اس سے دورہ حدیث کے طلبہ کے علاوہ دوسرے طلبہ بھی مستفید ہوسکیں۔ حضرت شیخ الحدیث قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا:

☆... ''معلم کو چاہیے کہ علمی بات کو نہایت ڈٹ کر اور زور وشور سے کہے۔''(۱)

☆... ''استاذ کو چاہیے کہ وہ شاگردوں کا امتحان لیتا رہے اور ان سے پوچھتا رہے۔''(۲)

فرمایا: ''استاذ اگر تشحیذِ اذہان کے طور پر کوئی مسئلہ طلبہ کے سامنے پیش کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔''(۳)

☆... ''اگر کوئی مسئلہ مفتی سے دریافت کرنا ہو تو توڑ موڑ کر غلط کرکے پوچھے، یہ البتہ ناجائز ہے۔''(۴)

☆... ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ سے مل کر بیٹھتے تھے، کوئی امتیاز نہیں فرماتے تھے، یہی ہمارے مشائخ کا طریقہ تھا، اس زمانہ کی طرح نہیں کہ ممتاز جگہ پر بیٹھیں۔''(۵)

☆... ''اگر استاذ کی مجلس میں مجمع زیادہ ہو تو جہاں جگہ ملے، وہیں بیٹھ جائے اور اگر قریب

بیٹھنے کی خواہش ہوتو پہلے سے آیا کرے۔ اور اگر پہلے ہی بیٹھنے والے اس طرح بیٹھے ہوں کہ اگلی صف میں یا بیچ میں جگہ خالی ہوتو پھاندکر آگے جا سکتا ہے، اگرچہ تخطّیِ رقاب سے منع کیا گیا ہے، مگر یہ اس لیے جائز ہے کہ پہلے سے بیٹھنے والوں ہی نے خود بے تمیزی کی کہ آگے جگہ چھوڑ دی۔ اور بھائی یہی حال صفوف کا ہے کہ اگر لوگ اگلی صف میں جگہ چھوڑ کر بیٹھیں تو آنے والے کو جائز ہے کہ ان کو پھاندکر خالی جگہ میں جا کر بیٹھ جائے کہ انہوں نے خود کو ذلیل کیا، کیوں نہیں آگے جا کر بیٹھے۔‘‘(۶)

☆...’’اگر کوئی شخص معانیِ حدیث کو نہ سمجھتا ہوتو اس کو چاہیے کہ وہ ان کو محفوظ کر لے اور پھر دوسروں کو سمجھا دے، ممکن ہے کہ کوئی اس کے شاگردوں میں اس سے زیادہ سمجھ دار ہو اور ان میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ وغیرہما جیسے مجتہدین ہوں اور وہ ان احادیث کو سن کر ان سے مسائل کا استنباط کریں۔‘‘(۷)

☆...’’اگر کوئی طالب علم بڑا فہیم وذکی ہو اور استاذ اس جیسا نہ ہوتو اس کو استاذ سے استنکاف فی طلب العلم نہ کرنا چاہیے کہ میں تو اتنا بڑا فہیم اور یہ ایسا؟ بھلا میں اس سے علم حاصل کروں؟‘‘(۸)

☆...’’امام بخاریؒ کا مقولہ اوجز میں مَیں نے نقل کیا ہے کہ: **أربع في أربع عن أربع علی أربع الخ** ‘‘ یہ سولہ (۱۶) چوکڑے ہیں اور انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ: آدمی اس وقت تک محدث نہیں ہوسکتا جب تک کہ علم اپنے بڑے اور ساتھی اور چھوٹے اور کتابوں سے حاصل نہ کرے۔‘‘(۹)

☆...’’آدمی پہلے علم حاصل کرے، پھر عمل کا درجہ ہے، کیوں کہ زمانۂ علم میں تعلم میں مشغولیت ہوتی ہے عمل نہیں کر سکتا، تو یہ عمل نہ کرنا اس وعید میں داخل نہیں۔‘‘(۱۰)

☆...’’جیسے مالِ وراثت بغیر عمل کے حاصل ہوتا ہے، اسی طرح علم بھی بغیر عمل کے حاصل ہوسکتا ہے۔‘‘(۱۱)

☆...’’علم کو اس وجہ سے نہ چھوڑا جائے کہ عمل نہیں ہوگا، بلکہ اگر علم کے بعد خشیت کسی وقت حاصل ہو جائے تو یہ بھی فائدہ دے گی۔‘‘(۱۲)

☆...’’علم، تعلّم سے حاصل ہوگا، مطالعہ سے حاصل نہیں ہوگا۔ یہ بالکل دھوکہ ہے کہ صرف کتب وشروح کو دیکھ کر بغیر استاذ سے پڑھے علم حاصل ہوسکتا ہے۔‘‘(۱۳)

☆...’’علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ جو باقاعدہ تعلیم یافتہ نہ ہوتو وہ صرف کتابیں دیکھ کر فتویٰ نہ دے۔‘‘(۱۴)

☆...’’علم تو ضرور حاصل کرنا چاہیے، مگر ایسا طریقہ اختیار کرے کہ ’’**مفضي إلی الملال** ‘‘ اور موجب نفرت نہ ہو، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ہر چیز کے اوقات مقرر تھے، اس لیے کہ ہر وقت ایک ہی کام کرنے سے دل اُکتا جاتا ہے۔‘‘(۱۵)

☆...’’اگر کوئی شخص وعظ وتبلیغ کے لیے کوئی خاص دن مقرر کر لے تو اس میں کوئی مضائقہ

نہیں، جائز ہے اور اس کو بدعت نہیں کہا جائے گا، کیوں کہ بدعت میں تعیین کے ساتھ ساتھ اس تعیین میں ہی ثواب سمجھا جاتا ہے اور یہ کہ اس دن نہ ہو تو پھر کوئی ثواب نہیں ملے گا، ایسے ہی چہلم وغیرہ بدعت ہے، کیوں کہ عوام کالانعام اس تعیین سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس دن یا اس وقت میں کوئی خاص ثواب ہے۔ اسی وجہ سے وہ ان اوقات کو تبدیل نہیں کرتے۔ قاعدۂ طبعی یہ ہے کہ ایک چیز سے طبیعت اُکتا جاتی ہے، اسی لیے مشائخ درس میں مختلف کتابیں ایک ایک دن میں رکھتے ہیں، تاکہ تنفّر نہ پیدا ہو، البتہ میرا تو جی رمضان میں قرآن سے نہیں اُکتاتا، یہ میرے نزدیک مستثنیٰ ہے۔‘‘(۱۶)

☆...’’(علم) عطاء فرمانا تو اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے، تم اپنی کوشش جاری رکھو اور اس کے حاصل کرنے کے لیے دعا کرتے رہو۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے بارے میں ارشاد ہے: ’’**إنما أنا قاسم**‘‘ کہ: میں تو صرف تقسیم کا حق دار ہوں، ورنہ اصل عطا فرمانے والا تو خدا ہے، لہٰذا محض اپنی محنت پر اعتماد نہ کرے، بہت سے محنتی کچھ نہ کر سکے اور بہت سے محنت نہ کرنے والوں کو بہت کچھ مل گیا۔‘‘(۱۷)

☆...’’اگرچہ عطا فرمانے والے صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور کوئی نہیں، لیکن صرف اس پر اعتماد کر کے نہ بیٹھو، بلکہ اپنی کوشش اور فہم سے کام لینا بھی ضروری ہے۔‘‘(۱۸)

☆...’’طالب علم کو مطالعہ کرنا چاہیے اور قوتِ مطالعہ بڑھانی چاہیے۔‘‘(۱۹)

☆...’’مطالعہ کا طریقہ یہ ہے کہ ہر علم کی مناسبات کو دیکھے اور غور کرے اور مطالعہ کرتے وقت اوپر نیچے سب طرف نظر رکھے۔‘‘(۲۰)

☆...’’علم میں رشک کرنا چاہیے اپنے سے اونچے والوں پر، تو گویا قابل رشک علم وحکمت ہے، نہ کہ دنیا کی چیزیں۔ یہ نہیں کہ فلاں کا کرتا اچھا ہے اور میرا نہیں، بلکہ علم وحکمت قابل غبطہ ورشک ہیں۔‘‘(۲۱)

☆...’’بڑے اور سردار بننے سے پہلے فقاہت حاصل کرلو، اس لیے کہ بڑے ہونے کے بعد علم جلدی نہیں حاصل ہوسکتا اور عوائق وموانع علم حاصل کرنے سے روک دیں گے۔‘‘(۲۲)

☆...’’پیارو! ہمارے مشائخ اور بزرگوں کا یہی رویہ رہا ہے کہ وہ جمع نہیں فرماتے تھے، بلکہ جو آیا، خرچ کردیا۔ بڑے حضرت رائے پوری یعنی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا طریقہ یہ رہا کہ جو آتا بس اس کو دے ڈالتے تھے، پھر کہیں سے کچھ آجاتا، فرماتے: یہ دوسرا آ گیا، اس کو بھی خرچ کردیتے۔ میرے والد صاحبؒ مقروض بہت تھے، اگر کہیں سے روپے آجاتے تو اس کو قرض خواہوں کو دے دیتے اور اگر پیسے وغیرہ ہوتے تو وہ بچوں کو دے دیتے اور فرمایا کرتے تھے: جی نہیں چاہتا کہ اس مصیبت کو لے کر سوؤں اور میرے چچا جان نوراللہ مرقدہٗ نے ایک بار فرمایا کہ: بکریوں کی تجارت کروں گا، سنت ہے، چناں چہ بکریاں خرید کر مضاربت پر دے دیں، کچھ دنوں بعد جب میں دِلّی گیا تو فرمایا کہ: بکریاں تو مر گئیں۔ ان لوگوں کے ہاتھ میں روپیہ رکتا ہی نہ تھا، یہ قدرت کی طرف سے تھا۔‘‘(۲۳)

☆... ’’علم حاصل کرنے میں جو مشقت اور تکالیف آئیں، ان کو برداشت کرنا چاہیے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے جانے میں مشقت اور تکالیف برداشت کیں کہ سمندر کے اندر تک تشریف لے گئے۔‘‘(۲۴)

☆... ’’سردار بننے کے بعد بھی بے فکر ہوکر نہ بیٹھنا چاہیے، بلکہ تعلیم حاصل کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت (سرداری) کے مل جانے کے باوجود کلیم اللہ اور نبی مرسل اور دیگر خصوصیات کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنے تشریف لے گئے، جن کی نبوت میں بھی اختلاف ہے۔‘‘(۲۵)

☆... ’’جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال ہوا کہ آپ اپنے سے زیادہ کسی کو عالم جانتے ہیں؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ: نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور ظاہر ہے کہ نبی کا علم اوروں سے زیادہ ہوا کرتا ہے، مگر چوں کہ انانیت اللہ کو پسند نہیں، بلکہ تواضع پسند ہے، اس لیے عتاب ہوا۔‘‘(۲۶)

☆... ’’انانیت اللہ کو پسند نہیں تو اس پسند نہ ہونے کی وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ کہ: ’’الکبریاء ردائی‘‘ کے مطابق کبریائی اللہ کی ذات میں ہے، وہاں پستی نہیں ہے، وہاں عظمت ہی عظمت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جہاں جو چیز نہیں ملتی، وہاں اس کی قدر ہوتی ہے، اسی لیے تواضع کی وہاں بڑی قدر ہے اور چوں کہ وہاں علو ہی علو، عظمت ہی عظمت ہے، اس لیے اس کی کوئی قدر نہیں۔ خوب سن لو پیارو! جو اللہ کے لیے اپنے آپ کو ذلیل سمجھے، اس کو اللہ اور بلند فرمادیتے ہیں، ’’من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰہ‘‘ کا مطلب یہی ہے۔‘‘(۲۷)

☆... ’’محض ذہانت پر اعتماد نہ کرے اور محنت پر بھروسہ نہ رکھے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے۔‘‘(۲۸)

☆... ’’مشائخ کی خدمت کرنا چاہیے اور اگر اولیاء اور بزرگوں سے دعا لینا چاہتے ہو تو ان کی خوب خدمت کرو۔ اور یہ اصولِ موضوعہ میں سے ہے کہ استاذ کی خدمت، اس کا احترام وغیرہ علم میں برکت کا سبب ہوتا ہے اور نافرمانی وغیرہ علم میں کمی کا باعث ہے اور والدین کا احترام وسعتِ رزق کا باعث ہے اور عدمِ احترام موجبِ تنگیِ رزق ہے۔‘‘(۲۹)

☆... ’’طلبِ علم کے لیے سفر کرنا مندوب ہے۔‘‘(۳۰)

☆... ’’تعلُّم کی فضیلت مسلَّم اور علم کے فضائل تسلیم مگر بقائے علم، تعلیم سے ہوتا ہے۔‘‘(۳۱)

☆... ’’بقائے علم اس وقت ہوگا جبکہ اس کے موانع کو رفع کردیا جائے۔ اور ظہورِ جہل اور رفعِ علم سے بچا جائے۔‘‘(۳۲)

☆... ’’تعلیم نہایت ضروری ہے، ورنہ علم اُٹھ جائے گا اور قیامت قائم ہوجائے گی۔‘‘(۳۳)

☆... ''علم تدریس سے باقی رہتا ہے اور اضاعتِ علم میں اضاعتِ نفس ہے۔''(۳۴)

☆... ''اہلِ علم کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو زرخرید نہ سمجھیں اور تنخواہوں پر نہ مریں کہ اگر تنخواہ نہ ہو تو تعلیم ہی چھوڑ دیں، بلکہ تعلیم وتدریس اللہ کے لیے ہو اور تنخواہ یہ سمجھ کر لے کہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے، کفاف کے لیے لیتا ہوں، اگر تم دنیا کو ٹھوکر مارو گے تو یہ دنیا خود تمہارے قدموں میں آکر رہے گی۔''(۳۵)

☆... ''اپنے علم پر عمل کرے، کیوں کہ دس بارہ سال میں حاصل ہونے والے علم کو ضائع کردینا خود اپنے آپ کو ضائع کردینا ہے۔''(۳۶)

☆... ''اگر کوئی ایسا ہو کہ اس کو کسی خاص علم کی ضرورت نہ پڑتی ہو تو وہ اس سے اعراض نہ کرے، بلکہ اس کو حاصل کرکے دوسروں کو سکھادے، مثلاً: مُقْعَد ہے کہ اس کو جہاد کرنے کی تو طاقت نہیں اور یہ سمجھ کر کہ مجھ کو جہاد تو کرنا نہیں، پھر کیا ضرورت جہاد کا علم سیکھنے کی؟ ایسا نہ کرے، بلکہ سیکھے اور دوسروں کو سکھلائے۔ اسی طرح عتاق کا مسئلہ ہندوستان میں کہ یہاں تو اس کی ضرورت نہیں، کیوں کہ ترقیق قانوناً بند ہے، مگر یہ سوچ کر کہ یہاں کیا ضرورت ہے؟ ایسا نہ کرے، بلکہ سیکھے اور دوسروں کو سکھادے اور ممکن ہے کہ آئندہ کام آجائے۔''(۳۷)

☆... ''اگر کوئی ذی علم راستہ میں چلا جارہا ہو یا سوار ہو تو لوگوں کو اس سے مسئلہ پوچھنا جائز ہے۔''(۳۸)

☆... ''کوئی اس حال میں مسئلہ پوچھے کہ وہ سوار ہوکر کہیں جارہا ہو تو مسئلہ بتلادینا چاہیے۔''(۳۹)

☆... ''قاضی اگر راستے چلتے ہوئے فیصلہ کردے تو وہ معتبر نہیں ہوگا، بلکہ اس کو دار القضاء میں فیصلہ کرنا ضروری ہے، بخلاف فتوی کے کہ وہ جائز ہے۔''(۴۰)

☆... ''امام بخاریؒ تشحیذِ اذہان بھی کرتے ہیں، وہ تمہیں محدث بنانا چاہتے ہیں اور تمہارے اندر قوتِ مطالعہ بیدار کرنا چاہتے ہیں۔''(۴۱)

☆... ''ہاتھ اور سر کے اشارے سے نفیاً واثباتاً فتویٰ دینا تو جائز ہے، مگر قضا میں جائز نہیں۔''(۴۲)

☆... ''اگر کوئی پورا عالم نہ ہو اور وہ تبلیغ کرے تو جائز ہے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو یہ فرمایا ہے: ''وأخبروهن من ورائكم'' وہ لوگ تمام دینی باتوں سے واقف نہ تھے اور ان کو صرف چار باتوں کا حکم اور چار باتوں سے منع فرماکر اس کی تبلیغ کا حکم فرمادیا۔''(۴۳)

☆... ''اگر کوئی مسئلہ وقتی طور پر پیش آجائے اور وہاں کوئی بتلانے والا نہ ہو تو اس کے واسطے سفر کرنا واجب ہے، یہ نہ سوچے کہ ایک ہی مسئلہ تو ہے، اس کے لیے سفر کرنے کی کیا ضرورت؟۔''(۴۴)

☆... ''اگر کوئی مشغول ہو تو اس کو علم روزانہ سیکھنا ضروری نہیں، بلکہ تناوب کرسکتا ہے۔''(۴۵)

☆... ’’اگر استاذ طلبہ سے کوئی ناگوار بات دیکھے تو ان کو تنبیہ کردے، ڈانٹ دے۔‘‘(۴۶)

☆... ’’قضاء اور فتویٰ کے درمیان فرق ہے کہ اگر فتویٰ اور درس حالتِ غضب میں ہو تو جائز ہے، لیکن قضاء حالتِ غضب میں ہو تو جائز نہیں۔‘‘(۴۷)

☆... ’’رکبتین پر بیٹھنا یہ طالب علم کی ہیئت ہے کہ محدث کے سامنے اس طرح بیٹھنا چاہیے۔‘‘(۴۸)

☆... ’’ائمہ ومشائخ واساتذہ کے سامنے دوزانو ہوکر بیٹھنا چاہیے، یہی اولیٰ وبہتر ہے۔‘‘(۴۹)

☆... ’’اعادہ وہاں ہوتا تھا، جہاں افہام کی ضرورت ہو۔‘‘(۵۰)

☆... ’’آج کل یہ مدارس بن گئے اور پھر ان میں سہولتیں کھانے پینے وغیرہ کا اہتمام ہوگیا، یہی وجہ ہے کہ یہ طالبِ علم قدر نہیں کرتے، اگر یہ سہولتیں میسر نہ ہوتیں، بلکہ اس میں مشقت اُٹھانی پڑتی تو قدر کرتے، لیکن اب تو یہ حال ہے کہ اگر پڑھانے میں بیس (۲۰) ملتے ہیں اور کھیتی میں سو (۱۰۰) تو کھیتی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ سب اس وجہ سے ہے کہ بغیر مشقت کے حاصل ہوگیا اور اگر مشقت سے حاصل کرتے تو ہرگز یہ نہ ہوتا۔‘‘(۵۱)

☆... ’’ (امام اور امیر) کو چاہیے کہ مدارس کا انتظام کریں اور ان کی تعلیم کا بندوبست کریں۔‘‘(۵۲)

☆... ’’امام اور امیر بلدہ کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ عورتوں کی تعلیم وتربیت کا معقول انتظام کریں، کیوں کہ ہر شخص کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی رعایا یعنی اہل وعیال کو تعلیم دے۔‘‘(۵۳)

☆... ’’عورتیں رقیق القلب ہوتی ہیں، ذراسی بات ان پر اثر کرجاتی ہے۔‘‘(۵۴)

☆... ’’علوم میں علم حدیث سب سے افضل واعلیٰ ہے اور بہت ہی مہتم بالشان ہے۔‘‘(۵۵)

☆... ’’جب منع وجواز میں تعارض ہوا کرتا ہے تو منع کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔‘‘(۵۶)

☆... ’’محدثین کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کتاب میں غلطی خود اس لکھنے والے کی طرف سے ہو تو اس میں اصلاح کرنا جائز نہیں، لیکن محقق طور پر یہ معلوم ہوجائے کہ یہ غلط ہے تو کیا کرے؟ اس میں دو قول ہیں: ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ جب غلطی پر پہنچے تو یوں پڑھے: ’’**الصحیح ھٰکذا، وفی الکتاب ھکذا**‘‘ تاکہ ابتداءً غلط پڑھ کر ’’**من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہٗ من النار**‘‘ میں داخل نہ ہو۔ اور دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ پڑھتا چلا جائے اور جب غلط پڑھ چکے تو اس کے بعد فوراً ’’**والصحیح ھٰکذا**‘‘ پڑھے۔‘‘(۵۷)

☆... ’’حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور مشیر تھے خاصۃً اور دیگر امور میں دخیل تھے عامۃً۔‘‘(۵۸)

☆... ’’تمام دھندوں کو چھوڑ کر علم میں لگ جانے سے ہی علم آتا ہے، جیسے حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام چیزیں قربان کر کے ہمہ تن لگ گئے تھے۔‘‘(۵۹)

☆...’’متعلم کو چاہیے کہ استاذ کے سامنے ادب سے خاموش رہے۔‘‘(۶۰)

☆...’’جب استاذ کچھ بیان کرے تو پوری توجہ کے ساتھ اس کی باتوں کو سنے، تاکہ کوئی بات سننے سے باقی نہ رہے۔‘‘(۶۱)

☆...’’اگر کوئی عالم بات کہہ رہا ہو تو لوگوں کو اس کے سننے کے لیے خاموش کیا جاسکتا ہے، اس سے اجلال العلماء معلوم ہوا۔‘‘(۶۲)

☆...’’جب کسی سے پوچھا جائے کہ کون اعلم ہے؟ تو ’’**اللّٰہ أعلم**‘‘، یا ’’**فوق کل ذی علم علیم**‘‘ کہہ دے، یہ نہ کہے کہ لوگوں کی نظر مجھ پر ہی پڑتی ہے، جیسے گیدڑی سے اس کے بچے نے پوچھا کہ: اماں پری کسے کہیں؟ تو اس نے کہا: چپ چپ! لوگوں کی نگاہ مجھ پر ہی ہے۔‘‘(۶۳)

☆...’’اپنے آپ کو بڑا علامہ نہ سمجھے، جبکہ اللہ نے اتنے بڑے نبی کے متعلق یہ پسند نہیں فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو أعلم کہیں، تو اوروں کا کیا منہ ہے۔‘‘(۶۴)

☆...’’رمی جمار کے وقت سوال کرنا اور فتویٰ پوچھنا جائز ہے۔‘‘(۶۵)

☆...’’علم کا مرتبہ ذکر اللہ سے مقدم ہے، لہٰذا اگر کوئی رمی جمار وغیرہ کے وقت مسئلہ پوچھے تو ذکر قطع کر کے جواب دے دے، بعض جاہل صوفیہ کی طرح نہیں کہ سورج تو طلوع ہونے والا ہے اور وہ اپنے اوراد میں مشغول ہیں، اب اگر ان سے کوئی وقت پوچھتا ہے تو زبان سے تو بتلاتے نہیں، انگلی سے اشارہ کرتے ہیں، فرمایا: حالاں کہ وظیفہ وغیرہ کے دوران مسئلہ بتانے سے وظیفہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔‘‘(۶۶)

☆...’’جب کوئی طالب علم لائق ہوتا ہے تو وہاں اولاد وغیرہ کو نہیں دیکھا جاتا۔‘‘(۶۷)

☆...’’اگر استاذ کسی ذہین وفطین شاگرد کو کوئی خاص وقت دے دے یا کسی خاص جماعت کو کوئی خاص وقت عنایت فرمادے کہ وہ اس وقت استفادہ کرایا کریں تو یہ جائز ہے اور یہ تخصیص علم اور کتمانِ علم میں داخل نہیں اور دوسروں کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں، جیسے امام ابوحنیفہؒ کی دو مجلسیں ہوا کرتی تھیں: ایک عمومی، اس میں ہر کوئی بیٹھ سکتا تھا۔ دوسری خصوصی، اس میں وہ لوگ شریک ہوسکتے تھے جو حافظ ہوں۔‘‘(۶۸)

☆...’’اکثر علماءؒ موالی اور عتقاء تھے، سارے سادات ہی نہیں تھے۔‘‘(۶۹)

☆...’’حیا ہر جگہ محمود ہے، مگر علم میں اس کو مانع نہ ہونا چاہیے۔‘‘(۷۰)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح معنوں میں طالب علم اور علم پر عمل کرنے والا بنائے، آمین۔

حوالہ جات

۱:-تقریر بخاری، کتاب العلم، باب من سئل علما، ج:۱ص:۶، مکتبۃ الشیخ، بہادرآباد، کراچی

۲:-ایضاً، باب طرح الامام المسئلۃ، ج:۱، ص:۸ ۳:-ایضاً، باب طرح الامام المسئلۃ، ج:۱، ص:۸

۴:- ایضاً، باب طرح الامام المسئلۃ، ج:۱،ص:۹

۵:- ایضاً، باب القراءۃ والعرض علی المحدث، ج:۱،ص:۱۰

۶:- ایضاً، باب من قعد حیث ینتھی بہ المجلس :ص:۱۲

۷:- ایضاً، باب قول النبی ﷺ: رب مبلغ، ج:۱،ص:۱۴

۸:- ایضاً، باب قول النبی ﷺ: رب مبلغ، ج:۱،ص:۱۴

۹:- ایضاً، باب قول النبی ﷺ: رب مبلغ، ج:۱،ص:۱۴

۱۰:- ایضاً، باب العلم قبل القول والعمل، ج:۱،ص:۱۵

۱۱:- ایضاً، باب العلم قبل القول والعمل :ایضا:۱۵

۱۲:- ایضاً، باب العلم قبل القول والعمل، ج:۱،ص:۱۵

۱۳:- ایضاً، باب العلم قبل القول والعمل، ج:۱،ص:۱۵

۱۴:- ایضاً، باب العلم قبل القول والعمل، ج:۱،ص:۱۵

۱۵:- ایضاً، باب ما کان النبی ﷺ یتخولہم، ج:۱،ص:۱۶

۱۶:- ایضاً، باب من جعل لاہل العلم، ج:۱،ص:۱۶

۱۷:- ایضاً، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین، ج:۱،ص:۱۶

۱۸:- ایضاً، باب الفہم فی العلم، ج:۱،ص:۱۶

۱۹:- ایضاً، باب الفہم فی العلم، ج:۱،ص:۱۶

۲۰:- ایضاً، باب الفہم فی العلم، ج:۱،ص:۱۷

۲۱:- ایضاً، باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ، ج:۱،ص:۱۷

۲۲:- ایضاً، ج:۱،ص:۱۷

۲۳:- ایضاً، ج:۱، ص:۱۷-۱۸

۲۴:- ایضاً، باب ما ذکر فی ذہاب موسیٰ علیہ السلام، ج:۱،ص:۱۹

۲۵:- ایضاً، باب ما ذکر فی ذہاب موسیٰ علیہ السلام، ج:۱،ص:۱۹

۲۶:- ایضاً، ج:۱،ص:۲۰

۲۷:- ایضاً، ج:۱،ص:۲۰

۲۸:- ایضاً، باب قول النبی ﷺ، ج:۱،ص:۲۰

۲۹:- ایضاً، باب قول النبی ﷺ، ج:۱،ص:۲۱

۳۰:- ایضاً، باب الخروج فی طلب العلم، ج:۱،ص:۲۱

۳۱:- ایضاً، باب فضل من علم وعلم، ج:۱،ص:۲۲

۳۲:- ایضاً، باب رفع العلم وظہور الجہل، ج:۱،ص:۲۳

۳۳:- ایضاً، باب رفع العلم وظہور الجہل، ج:۱،ص:۲۳

۳۴:- ایضاً، ج:۱،ص:۲۳

۳۵:- ایضاً، ج:۱،ص:۲۳

۳۶:- ایضاً، ج:۱،ص:۲۳

۳۷:- ایضاً، باب فضل العلم، ج:۱،ص:۲۴

۳۸:- ایضاً، باب الفتیا وہو واقف علی الدابۃ وغیرہا، ج:۱،ص:۲۵

۳۹:- ایضاً، باب الفتیا وہو واقف علی الدابۃ وغیرہا، ج:۱،ص:۲۵

۴۰:- ایضاً، باب الفتیا وہو واقف علی الدابۃ وغیرہا، ج:۱،ص:۲۵

۴۱:- ایضاً، ج:۱،ص:۲۵

۴۲:- ایضاً، باب من أشار الفتیا باشارۃ الید والرأس، ج:۱،ص:۲۶

۴۳:- ایضاً، باب تحریض النبی ﷺ، ج:۱،ص:۲۷

۴۴:- ایضاً، باب الرحلۃ فی المسئلۃ النازلۃ، ج:۱،ص:۲۸

۴۵:- ایضاً، باب التناوب فی العلم، ج:۱،ص:۲۸

۴۶:- ایضاً، باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم اذا رأی ما یکرہ، ج:۱،ص:۲۹

۴۷:- ایضاً، باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم اذا رأی ما یکرہ، ج:۱،ص:۲۹

۴۸:- ایضاً، ج:۱،ص:۳۰

۴۹:- ایضاً، باب من برک علی رکبتیہ عند الامام او المحدث، ج:۱،ص:۳۰

۵۰:- ایضاً، باب من أعاد الحدیث ثلاثا لیفہم، ج:۱،ص:۳۰

۵۱:- ایضاً، ج:۱،ص:۳۲

۵۲:- ایضاً، باب عظۃ الامام النساء وتعلیمہن، ج:۱،ص:۳۲

۵۳:- ایضاً، باب عظۃ الامام النساء وتعلیمہن، ج:۱،ص:۳۲

۵۴:- ایضاً، باب عظۃ الامام النساء وتعلیمہن، ج:۱،ص:۳۲

۵۵:- ایضاً، باب الحرص علی الحدیث، ج:۱،ص:۳۳

۵۶:- ایضاً، باب کتابۃ العلم، ج:۱،ص:۳۸

۵۷:- ایضاً، ج:۱،ص:۴۰

۵۸:- ایضاً، ج:۱،ص:۴۳

۵۹:- ایضاً، باب حفظ العلم، ج:۱ص:۴۶

۶۰:- ایضاً، باب الانصات للعلماء، ج:۱ص:۴۸

۶۱:- ایضاً، باب الانصات للعلماء، ج:۱،ص:۴۸

۶۲:- ایضاً، باب الانصات للعلماء، ج:۱،ص:۴۸

۶۳:- ایضاً، باب ما یستحب للعالم، ج:۱،ص:۴۸-۴۹

۶۴:- ایضاً، باب ما یستحب للعالم، ج:۱،ص:۴۹

۶۵:- ایضاً، باب السؤال والفتیا عند رمی الجمار، ج:۱،ص:۴۹

۶۶:- ایضاً، باب السؤال والفتیا عند رمی الجمار، ج:۱،ص:۴۹

۶۷:- ایضاً، باب من ترک بعض الاختیار، ج:۱،ص:۵۰

۶۸:- ایضاً، باب من ترک بعض الاختیار، ج:۱،ص:۵۱

۶۹:- ایضاً، باب من ترک بعض الاختیار، ج:۱،ص:۵۱

۷۰:- ایضاً، باب الحیاء فی العلم، ج:۱،ص:۵۲

’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ اور اُن کا حکم

مولانا انعام اللہ
فاضلِ جامعہ و چیف ریسرچ آفیسر اسلامی نظریاتی کونسل

(چھٹی قسط)

دوسرے مسلک کی وضاحت اور دلائل

دوسرا مسلک یہ ہے کہ: ’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ کے کسی بھی حکم کی اتباع ہمارے اوپر واجب نہیں، الا یہ کہ کسی دلیل سے ’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ کے کسی متعین حکم پر عمل کرنے کا وجوب ثابت ہو جائے۔‘‘

یہ مسلک پہلے مسلک کے بالکل برعکس ہے، جو اس قاعدے پر مبنی ہے کہ: ’’ہر آسمانی شریعت صاحبِ شریعت (نبی) کی وفات یا دوسرے نبی کی بعثت کے ساتھ اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔‘‘

اس اُصول کے مطابق شریعتِ موسویہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی، اور شریعتِ عیسویہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔ اس قول کا حاصل یہ ہے کہ ’’شرائع‘‘ میں اصل اختصاص ہے، ہر نبی کی شریعت اس کے ساتھ خاص ہے، جب تک وہ نبی حیات ہیں، ان کی شریعت قابلِ عمل ہے۔ دوسرے نبی کے آنے کے بعد نئی شریعت آ جاتی ہے، اور سابق نبی کی شریعت قابلِ عمل نہیں رہتی، تاہم درمیانی عرصہ کے حوالے سے دونوں احتمالات ہیں، دوسرے نبی کی بعثت تک پہلی شریعت قابلِ عمل ہے، یا پہلے نبی کی وفات کے ساتھ ہی شریعت منسوخ ہو جاتی ہے، لیکن اس سے شریعت کے اختصاصی ہونے پر اَثر نہیں پڑتا۔

دوسرے مسلک کی صحت پر بھی نقلی و عقلی دلائل سے استدلال کیا گیا ہے، ملاحظہ ہوں:

(الف) نقلی دلائل

حسبِ ذیل آیاتِ کریمہ سے اس مسلک پر استدلال کیا گیا ہے:

پہلی نقلی دلیل

’’لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔‘‘ (المائدۃ: ۴۸)

''ہر ایک کوتم میں سے دیا ہم نے ایک دستور اور راہ۔''

اس کا مقتضایہ ہے کہ ہر اُمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک شریعت نازل فرمائی ہے، جو اس کے ساتھ خاص ہے، اور اس اُمت کا نبی اسی شریعت کی پیروی کرنے اور اس کی طرف دعوت دینے کا پابند ہے۔ (۱)

دوسری نقلی دلیل

الف:.....''وَآتَيْنَا مُوْسٰى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِيْ إِسْرَائِيْلَ۔''(الإسراء:۲)

''اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور کیا اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے۔''

ب:.....''وَلَقَدْ أٰتَيْنَا مُوْسٰى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهٖ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِيْ إِسْرَائِيْلَ۔'' (السجدۃ:۲۳)

''اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب سو تو مت رہ دھوکے میں اس کے ملنے سے اور کیا ہم نے اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے۔''

استدلال کا خلاصہ

ان دونوں آیاتِ کریمہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی کتاب، یعنی تورات، خاص بنی اسرائیل کے لیے ہدایت ہے۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اس استدلال کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''پس بنی اسرائیل کو اس بات کے ساتھ خاص کرنا کہ ''توراۃ اُنہیں کے لیے ہدایت ہے'' اس بات کی دلیل ہے کہ ہم (اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر توراۃ کے احکام کی پیروی لازم نہیں، الا یہ کہ کوئی دلیل قائم ہو، جو اس بات کو ثابت کرے کہ ہماری شریعت میں بھی توراۃ کے احکام پر عمل کرنا واجب ہے۔''(۲)

(ب) دلیل عقلی

ہر اُمت کے لیے شریعتِ خاصہ کا ہونا اس لیے اصل اور ضروری ہے کہ بعثتِ انبیاء کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر نبی اپنی اُمت کے سامنے محتاجِ بیان اُمور کو بیان کریں، تو اگر آنے والے رسول کی آمد و بعثت کے ساتھ پچھلے نبی کی شریعت اختتام پذیر نہ ہو اور آنے والا رسول از سرِ نو کوئی شریعت لے کر نہ آئے، تو دوسرے رسول کی بعثت کے وقت کسی امر کے بیان کی ضرورت نہیں ہوگی، اور اس نئے آنے والے نبی کی بعثت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور سنتِ الٰہیہ یہ ہے کہ بغیر کسی فائدہ ومقصد کے کسی رسول کو مبعوث نہیں کیا جاتا۔ پس ثابت ہوا کہ ہر نبی اور رسول کے ساتھ نئی شریعت اُتاری جاتی ہے، جو اس کے ساتھ خاص ہوتی ہے، صاحبِ کشف الاسرار کی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''اور دلیلِ عقلی سے بھی یہ بات ثابت ہے، اور وہ یہ کہ اصل یہ ہے کہ گزشتہ شریعت میں

خصوصیت ہو، اس لیے کہ رسول کی بعثت صرف اس لیے ہوتی ہے کہ وہ اس اُمت کے لیے محتاجِ بیان اُمور کو بیان کرے۔ اگر گزشتہ رسول کی شریعت آنے والے رسول کی شریعت سے اختتام پذیر نہ ہو، اور دوسرا رسول از سرِنو نئی شریعت لے کر نہ آئے، تو گویا دوسرے رسول کی بعثت کے وقت لوگوں کو احکام بیان کرنے کی ضرورت وحاجت نہ ہوئی، پس اس کو مبعوث کرنے کا فائدہ نہیں ہوا، جبکہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی فائدہ کے رسول نہیں بھیجتے، پس ثابت ہوا کہ ہر شریعت نبی کے ساتھ خاص ہونا ہی اصل ہے۔‘‘(۳)

یہی وجہ ہے کہ یہ صرف ان احکام میں ہوگا جن میں نسخ ممکن ہے، یعنی فروعی احکام میں، اصول میں نہیں۔ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

’’اسی لیے ہم نے اس کو ان احکام میں نسخ کی طرح قرار دیا، جن میں نسخ کا احتمال ہے، ان احکام میں نہیں جن میں نسخ کا احتمال نہیں، جیسے توحید اور اصول الدین، کیا دیکھتے نہیں ہو کہ رسل علیہم السلام میں ان اُمور کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں، نہ اصل میں اور نہ وصف میں، اور ان میں اختلاف ممکن بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بات قطعی ویقینی ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی، اس لیے کہ ہم دلیل قطعی سے یہ بات جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں کہ (اس کی شریعت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے لیے ناسخ بن جائے۔‘‘(۴)

(ج) مخصوص قوم اور علاقے کی طرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے استدلال

اختصاصی شریعت کے نظریہ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتیں کسی خطے وعلاقے کے لوگوں ساتھ مخصوص تھیں اور صرف اس خطے والے لوگوں پر اس نبی کی شریعت کی پیروی اور اتباع لازم تھی، دوسرے خطے والوں پر نہیں، مثلاً: حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ونبوت کا زمانہ ایک تھا، جیسا کہ سورۂ قصص (آیات ۲۳-تا-۲۸) میں حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی ملاقات کا صراحتاً تذکرہ ہے، لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت اہلِ مدین اور اصحاب الأیکۃ کی طرف ہوئی تھی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’وَإِلٰى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا۔‘‘ (الأعراف:۸۵)

’’اور مدین کی طرف بھیجا ان کے بھائی شعیب کو۔‘‘

نیز ارشاد ہے:

’’كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ۔‘‘ (الشعراء:۱۷۵-۱۷۶)

’’جھٹلایا بَن کے رہنے والوں نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو شعیب نے کیا تم ڈرتے نہیں۔‘‘

جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کا نبی وپیغمبر ہونا اَظہر من الشمس ہے۔

استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح یہ ممکن بلکہ ایک امر واقع ہے کہ استثنائی صورتوں کے علاوہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کسی ایک محدود علاقے اور مخصوص قوم کے ساتھ مختص ہوتی تھی، جیسا کہ اس حدیث شریف سے اس کی تائید ہوتی ہے:

''أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِيْ... وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً ۔''(۵)

''مجھے پانچ خصوصیتوں سے نوازا گیا، جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں: مجھ سے پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے، جبکہ میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔''

تو اس طرح یہ بھی ممکن ہے کہ گزشتہ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت و بعثت ایک زمانے کے لوگوں کے ساتھ مختص ہو، اور دوسرے زمانے کے لوگوں پر اس شریعت کی پیروی لازم نہ ہو، بلکہ اس کے لیے دوسرے نبی کو مبعوث کیا گیا ہو، اور اس سے کوئی خرابی لازم نہ آئے۔ بالفاظِ دیگر جب اختصاص النبوۃ بالمکان دون مکان ممکن بلکہ واقع ہے، تو اختصاص النبوۃ والشریعۃ بالزمان دون زمان بھی ممکن ہو، اور اس میں کوئی قباحت وخرابی نہ ہو۔ صاحب کشف الاسرار فرماتے ہیں:

''جب یہ بات ثابت ہوئی کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ایسے رسول گزرے ہیں جن کی شریعت پر عمل کرنا ایک علاقے کے لوگوں پر واجب تھا، دوسرے علاقے کے لوگوں پر نہیں، اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ تھا، تو اس سے ہم جان گئے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی شریعت پر عمل کرنے کا وجوب ایک زمانے کے لوگوں پر ہو، دوسرے زمانے کے لوگوں پر نہیں۔ اور یہ کہ وہ شریعت دوسرے نبی کی بعثت کے ساتھ اختتام پذیر ہو، پس تحقیق یہ بھی ممکن ہے کہ اس ایک زمانے میں دو نبی دو مختلف علاقوں میں بیک وقت اس طرح نبی ہوں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی شریعت کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔ تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسا دو زمانوں میں بھی ممکن ہے اور یہ کہ بعد والے زمانے میں مبعوث پیغمبر اپنی ہی شریعت کی طرف لوگوں کو دعوت دے اور اس کی پیروی کا حکم دے، اور اپنے سے پہلے والی شریعت پر عمل کرنے کی دعوت نہ دے۔''(۶)

جبکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ونبوت قیامت تک آنے والے تمام زمانوں اور روئے زمین پر آباد ہر خطے کے تمام لوگوں، بالفاظِ دیگر تمام انسانیت کے لیے ہے، کسی خاص قوم کے لیے نہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ارشادِ ربانی ہے:

''قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعاً ۔'' (الاعراف:۱۵۸)

''تو کہہ: اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔''

اختصاصی شرائع سے استثنائی صورت

کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک نبی کو دوسرے نبی کا تابع بنا کر مبعوث کیا گیا، صاحبِ کشف الاسرار کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ: ''اصولی طور پر تو ہر نبی کی اپنی خاص شریعت ہوا کرتی تھی جو اس نبی کے ساتھ مختص ہوتی تھی، لیکن ایسی مثالیں بھی ہیں کہ کسی نبی کو الگ کوئی شریعت نہیں دی گئی، بلکہ اس زمانے میں موجود کسی اور رسول کی پیروی کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کے لیے ان کو مبعوث کیا گیا۔ قرآن مجید میں اس نوع کے دو واقعات صراحتاً مذکور ہیں، ایک حضرت لوط علیہ السلام کا، جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا پیروکار بنایا گیا ہے، اور دوسرے حضرت ہارون علیہ السلام کا، جو بدعاء سیدنا موسیٰ علیہ السلام ان کے معاون اور پیروکار تھے۔''(۷)

حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ حسب ذیل ارشادِ خداوندی میں ہے:

''فَآمَنَ لَهُ لُوْطٌ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔'' (العنکبوت:۲۶)

''پھر مان لیا اس کو لوطؑ نے اور وہ بولا: میں تو وطن چھوڑتا ہوں اپنے رب کی طرف، بے شک وہ ہی ہے زبردست حکمت والا۔''

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مفسر ابوسعود رقم طراز ہیں:

''(فَآمَنَ لَهُ لُوْطٌ) أي صدَّقهُ في جميع مقالاتِه لا في نُبُوتِه وما دعا إليه من التَّوحيدِ فقط، فإنَّهُ كان منزَّهاً عن الكُفر۔''(۸)

''(فَآمَنَ) پھر مان لیا اس کو لوط علیہ السلام نے، یعنی لوط علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی تمام احکام میں، صرف ان کی نبوت اور توحید میں نہیں جس کی طرف ابراہیم علیہ السلام نے دعوت دی تھی، اس لیے کہ لوط علیہ السلام کفر سے منزہ تھے۔''

حضرت ہارون علیہ السلام کا تذکرہ اس آیتِ کریمہ میں ہے:

''فَأَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْءًا يُّصَدِّقُنِیْ۔'' (القصص:۳۴)

''سو اس کو بھیج میرے ساتھ مدد کو کہ میری تصدیق کرے۔''

''وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِيْرًا مِّنْ أَهْلِیْ هَارُوْنَ أَخِیْ۔'' (طہٰ:۲۹-۳۰)

''اور دے مجھ کو ایک کام بٹانے والا میرے گھر کا، ہارون میرا بھائی۔''

دوسرے مسلک کی مرجوحیت

یہ استثناء درحقیقت دوسرے مسلک کے اثبات کے لیے تیسری دلیل یعنی اختصاصی شرائع سے استدلال پر وارد ہونے والے اس اشکال کا جواب ہے کہ جب شرائع میں اصل تخصیص ہے کہ ہر علاقے

اور ہر زمانے کے لیے الگ نبوت والگ شریعت ہو، تو لوط علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی نبوتیں اور شریعتیں تو اختصاصی نہیں ہیں، بلکہ بنصِ قرآن دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تابع تھیں، تو یہ کہنا کس طرح صحیح ہوا کہ شرائع میں اصل اختصاص ہے؟!

جواب کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں انبیاء علیہما السلام کا معاملہ استثنائی ہے، لیکن یہ استثناء خود اس بات کی دلیل ہے کہ اختصاصی شرائع کا نظریہ نصوص کے خلاف ہے۔ اس سے دوسرے مسلک اور اس کے استدلالات کا جواب سمجھنا چاہیے۔

حوالہ جات

۱:- دیکھیے، کشف الاسرار شرح اصول البزدوی، ج:۳، ص:۲۱۴

۲:- اصول السرخسی، ج:۲، ص:۱۰۱

۳:- کشف الأسرار شرح اصول البزدوی، ج:۳، ص:۲۱۴

۴:- اصول السرخسی، ج:۲، ص:۱۰۱

۵:- صحیح البخاری، کِتَابُ التَّیَمُّمِ، رقم: ۳۳۵۔

۶:- کشف الاسرار، ج:۳، ص:۲۱۴

۷:- کشف الاسرار شرح اصول البزدوی، ج:۳، ص:۲۱۴

۸:- تفسیر ابی السعود، ج:۷، ص:۳۷

(جاری ہے)

اعضاء کی پیوندکاری اور عطیۂ خون کے حکم میں فرق!

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ جب اعضاء انسانی کی پیوندکاری جائز نہیں تو ایک انسان کا دوسرے انسان کو خون دینا کیسے جائز ہے؟ براہِ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلے کی وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: عباداللہ دیروی

الجواب باسمہٖ تعالٰی

واضح رہے کہ انسان کے اعضاء اور خون میں مندرجہ ذیل وجوہات سے فرق ہے:

۱:......خون انسان کے اجزاء میں سے ضرور ہے، لیکن اعضاء میں سے نہیں، انسان کے اندر اخلاطِ اربعہ: صفراء، سوداء، خون، بلغم، یہ چیزیں سیال ہوتی ہیں اور یہ چیزیں انسان کے اجزاء ہیں، اعضاء مستحکم نہیں، کیونکہ انسان جب مرجاتا ہے اس کے تمام اعضاء پہلے جس طرح موجود تھے مرنے کے بعد بھی تمام اعضاء موجود رہتے ہیں، اگرچہ حیات نہ ہونے کی وجہ سے کام نہیں کرتے، جبکہ خون جزوِ مستحکم نہ ہونے کی وجہ سے پانی بن جاتا ہے۔

۲:......فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ حمل جب تک خون کا لوتھڑا ہو وہ انسان اور اعضاء کے حکم میں نہیں، ایسی صورت میں اگر اسقاطِ حمل ہوجائے تو اس اسقاط کے بعد جو خون نکلے گا شرعاً وہ نفاس کا خون نہیں، کیونکہ یہ حمل خون کے لوتھڑے کی صورت میں تھا اور اگر حمل میں اعضاء انسانی پیدا ہونے کے بعد حمل ساقط ہوجائے تو اس کے بعد نکلا ہوا خون نفاس کے حکم میں ہے، جیسا کہ ''بدائع الصنائع'' میں ہے:

''والسقط إذا استبان بعض خلقہٖ فھو مثل الولد التام یتعلق بہٖ أحکام الولادة من انقضاء العدة وصیرورة المرءة نفساء لحصول العلم بکونہٖ ولدًا مخلوقًا عن الذکر والأنثٰی، بخلاف ما إذا لم یکن استبان من خلقہٖ شیء، لأنا لاندری ذاک ھو المخلوق من مائھما أو دم جامد أو شیء من الأخلاط الردیة استحال إلٰی صورة لحم، فلایتعلق بہٖ شیء من أحکام الولادة۔'' (ج:۱،ص:۴۳، کتاب الطھارة، فصل فی تفسیر الحیض والنفاس، الخ، ط:سعید)

۳:......حمل جب تک خون کی شکل میں ہو تو ضرورتِ شدیدہ کے وقت اُسے گرایا جاسکتا ہے،

لیکن اگر اس کے اعضاء بن گئے تو اس کا گرانا جائز نہیں ہے، جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے۔

(راجع: ج:۶، ص:۳۷۴، کتاب الحظر والاباحۃ، ط: سعید)

۴:......اخلاطِ اربعہ مثلاً: صفراء، سوداء، بلغم، خون، انسانی زندگی کے لیے ممد ومعاون ضرور ہیں، بالفعل اعضاء میں شامل نہیں، اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسان کی ترتیب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: انسان کو نطفہ سے پیدا کیا، پھر اُسے خون کا لوتھڑا بنایا، پھر گوشت کا ٹکڑا، پھر ہڈیاں بنائی ہیں، پھر ہڈیوں کے اوپر گوشت اور چمڑا چڑھایا۔

اس ترتیب سے حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ جس طرح نطفہ وخون کے جوہر وحقیقت میں فرق ہے، اسی طرح گوشت اور خون کی حقیقت میں بھی فرق ہے۔ ان مختلف فروق اور اوصافِ مفارقہ کی وجہ سے خون کو دیگر اعضاءِ انسانی میں شمار کر کے دونوں پر یکساں حکم لاگو کرنا کسی طرح درست نہیں۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: کتاب ''انسانی اعضاء کی پیوندکاری اور اُس کے شرعی احکام''

مؤلفہ: حضرت مولانا مفتی محمد عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ العالی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد شفیق عارف	عزیز محمود دین پوری

دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

آپ کے سوالات اور اُن کا حل (احادیث کی روشنی میں) [4 جلدیں]

اُن سوالات کے جوابات جو افریقہ، بنگلہ دیش اور پاکستان میں مفتی صاحب سے کیے گئے تھے

تالیف: حضرت مولانا مفتی محمد عبدالسلام چاٹگامی دامت برکاتہم العالیہ

سابق رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ناشر: اسلامی کتب خانہ، نزد علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فون نمبر: 0335-2420737 021-34927159

نقد و نظر

ادارہ

’’السَّیحُ الجاری إلیٰ جنة البخاری‘‘ المعروف ’’تقریرِ علامہ کشمیریؒ‘‘ [تین جلدیں]

افادات وافاضات: امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ۔ رشحاتِ قلم: حضرت مولانا حکیم عبدالحلیم بن امیر بخش سردار پوری ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ۔صفحات جلدِاول: ۳۸۲، جلدِ دوم: ۳۷۰، جلدِ سوم: ۲۴۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ عشرہ مبشرہؓ، ۳۸، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ باہتمام: دارالتصنیف والتحقیق، فیصل آباد

زیرِتبصرہ کتاب تین جلدوں میں علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح بخاری کی عربی زبان میں درسی تقریر پر مشتمل ہے، جسے حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مولانا حکیم عبدالحلیم بن امیر بخش سردار پوری ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے سن ۱۳۴۱ھ میں جمع و ضبط فرمایا تھا۔ آپ کے فرزند حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصحیح، اور مشہور عالم دین حضرت مولانا محمد عیسیٰ گورمانی رحمۃ اللہ علیہ (گوجرانوالہ) نے اس پر نظرِ ثانی کی اور حضرت کے پوتے مولانا ضیاء الرحمٰن ناصر صاحب نے اس کی ترتیب وتزئین وغیرہ کا کام کرکے اُسے پہلی مرتبہ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ مطابق فروری ۲۰۱۷ء میں شائع کیا، یہ اس مجموعہ اور تقریر کا پہلا ایڈیشن ہے۔

یہ ایک چھپا خزانہ تھا، جسے یہ حضرات بڑی محنت، جدوجہد اور زرِکثیر صرف کرکے تقریباً ایک صدی گزرنے کے بعد منظرِعام پر لانے میں کامیاب ہوئے۔ اس پر اُنہیں جتنا بھی مبارک باد دی جائے، کم ہے۔ بہرحال علم حدیث سے شغف رکھنے والے علماء وطلبہ کے لیے یہ ایک نادر تحفہ اور عمدہ سوغات ہے۔ کتاب کا ٹائٹل خوبصورت، کاغذ اعلیٰ اور جلد بندی مضبوط ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کی دیگر کتب، افادات اور تقاریر کی طرح اس تقریر کا بھی فیض جاری وساری اور عام فرمائے اور جامع ومحشین ومرتبین کو اپنے شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے۔

درسِ ابی داؤد

افادات: حضرت مولانا شمس الحق رحمۃ اللہ علیہ ۔تخریج وتحقیق: مولانا وحید الزمان صاحب۔صفحات: ۶۱۷۔ قیمت: درج نہیں۔ناشر: شمسی کتب خانہ، کراچی۔ ملنے کا پتہ: دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی

زیرِنظر کتاب صحاحِ ستہ میں سے ایک اہم کتاب ''سنن ابی داؤد'' کی شرح ہے جو حضرت مولانا شمس الحق رحمۃ اللہ علیہ (سابق استاذ التفسیر والحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی) کے افادات وافاضات پر مشتمل ہے۔ مولانا خلیل احمد اعظمی صاحب ودیگر طلبہ نے اسے دورانِ درس ضبط کیا ہے۔ مولانا وحید الزمان صاحب (متخصص علوم حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن) نے اس پر تحقیق وتخریج اور تصحیح وغیرہ کا کام کیا ہے۔ تصحیح کے لیے بذل المجہود اور دیگر شروحات سے تقابل اور فقہاء کے مذاہب کے بیان میں معتبر کتب پر اعتماد کیا گیا ہے۔ کہیں کوئی خاص ضرورت پیش آئی تو حاشیہ میں اس کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ کتاب کے شروع میں علم حدیث کی تعریف، اہمیت، غرض وغایت، آدابِ حدیث، تعارفِ کتاب، اور صاحبِ کتاب امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وغیرہ جیسے مضامین مقدمۃ العلم کے طور پر شامل کیے گئے ہیں۔ طلبۂ حدیث کے لیے یہ ایک مختصر اور مفید شرح ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حدیث کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور صاحبِ درس، جامعین، مرتبین ومحسنین کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

حیات وخدمات مولانا سمیع الحق (دو جلدیں)

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی۔ صفحات جلد اول: ۴۷۰، صفحات جلد دوم: ۴۶۷۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہؓ، خالق آباد، نوشہرہ

حضرت مولانا سمیع الحق دامت برکاتہم العالیہ ہمارے ان اکابر میں سے ہیں، جن کی ساری زندگی ہمہ جہت محنتوں، مجاہدوں اور اعلائے کلمۃ اللہ کی کوششوں میں گزری ہے۔ اشاعتِ دین کا کوئی ایسا کام اور ایسا راستہ نہیں جو آپ نے اختیار نہ کیا ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔

آپ کے ہونہار شاگرد اور کئی معاملات میں آپ کے دستِ راست حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی جو خود بھی اعلیٰ پائے کے ادیب وخطیب اور نرالے انداز کے مدرس ومؤلف ہیں کہ جن کی ہر تحریر یوں لگتی ہے جیسے ادبی الفاظ آپ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں، اور آپ جن الفاظ کو جہاں پرونا چاہیں وہ الفاظ تابعِ فرمان غلام کی طرح وہاں فٹ ہوجاتے ہیں۔ بہرکیف حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی نے یہ بے مثال کارنامہ انجام دیا ہے کہ حضرت مولانا سمیع الحق دامت برکاتہم کی سوانح حیات آپ کی زندگی میں مرتب کردی ہے۔ آپ نے اس کتاب کا ٹائٹل پر یوں تعارف کرایا ہے:

''تذکرہ سوانح شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق، جو ایک مردِ مجاہد کی کہانی ہی نہیں، ایک عہد کی تاریخ ہے اور داستانِ سبق آموز بھی ہے۔ مولانا سمیع الحق کے علم وقلم، ادب وتاریخ، درس وتدریس، اعلائے کلمۃ الحق، شریعت بل اور نفاذِ شریعت کی تحریک، قومی وملی اور سیاسی خدمات، قادیانیت، تمام فرقِ باطلہ کا تعاقب، افغان جہاد اور تحریکِ طالبان سے لے کر دفاعِ پاکستان کونسل تک معرکہ آرائیوں کے دلچسپ تاریخی مراحل۔ تقریباً پون صدی پر مشتمل دلآویز، سبق آموز داستانِ عزیمت۔''

یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز ہے، جو مطالعہ کا ذوق رکھنے والوں کے لیے عمدہ سوغات ہے۔